DELHI UNIVERSITY
LIBRARY

DELHI UNIVERSITY LIBRARY

Cl. No. P168v 44071 168N5 EPU

Ac. No. E8154

Date of release for loan

This book should be returned on or before the date last stamped below. An overdue charge of 0.6 nP. will be charged for each day the book is kept overtime.

DELHI UNIVERSITY
LIBRARY

طبع دوم — ۱۹۵۴ع
قیمت: پانچ روپے بارہ آنے

انجمن پریس، لارنس روڈ، کراچی ۳ میں بہ اہتمام عثمانی طبع ہوا

فہرست مضامین

نمبر شمار	مضامین	اسمائے گرامی مضمون نگار حضرات	نمبر صفحات
۱	مضمون نگار حضرات		الف تا ز
۲	تعارف	بابائے اردو جناب ڈاکٹر مولوی عبدالحق صاحب مدظلہ	
۳	مشرقی پاکستان کو فوری خطرہ	جناب خان بہادر بدرالدین احمد صاحب	۱
۴	یوم اقبال کا جواب	جناب ڈاکٹر ابو ظفر محمد طاہر صاحب	۳
۵	سرکاری زبان	جناب سید قمرالاحسن صاحب	۳۸
۶	مراسلہ	جناب حکیم سلامت اللہ صاحب	۵۵
۷	مشرقی پاکستان کو دعوت فکر	ایضاً	۵۸
۸	ایک لمحۂ فکریہ	حضرت الحاج مولانا محمد عبداللہ الکافی القرسی صاحب صدر اعلیٰ جمعیت اہل حدیث بنگال و آسام	۶۰
۹	سرکاری زبان	جناب ڈاکٹر ابو ظفر محمد طاہر صاحب	۶۳
۱۰	کیا بنگلا اردو زبان سے بہتر ہے	ایضاً	۷۲
۱۱	پاکستان کی سرکاری زبان	جناب کوی غلام مصطفیٰ	۸۱
۱۲	پاکستان کی سرکاری زبان	جنا[illegible]حسن صاحب	
۱۳	اردو کی اہمیت	مولوی فضل الحق صاحب کی نظر میں	۱۲۳

MAKTABA JAMIA LTD.
URDU BAZAR
DELHI-6

مضمون نگار حضرات

۱ - خان بہادر بدرالدین احمد صاحب بی - اے: آپ کے اجداد کوئی پانچ صدی قبل عرب سے آئے اور سلہٹ میں آباد ہوے۔ آپ کی ولادت (سنہ ۱۸۹۰) اور تعلیم کلکتے میں ہوی - وہیں ہائی کورٹ کے دفتر میں ملازم اور اس کے پہلے مسلمان رجسٹرار مقرر ہوے۔ انگریزی نظام عدالت کے ارتقا اور انتظامات پر دو رسالے لکھے جن کی سرکاری طور پر تحسین اور اشاعت کی گئی۔ بعد میں مسلمانان بنگالہ کی تعلیم کے اسپشل افسر بنائے گئے اور آخر میں اس کے شعبہ امتحانات کے سکرٹری رہے۔ اسی لیے وہاں کے تعلیمی مسائل و حالات سے وسیع واقفیت رکھتے ہیں۔ خان بہادر صاحب بے تکلف فصیح اردو بولتے اور لکھتے ہیں - ممالک ہند کے علاوہ ترکی ، مصر و شام کی سیاحت کر چکے ہیں انہی مشاہدات اور علمی مطالعے کا نتیجہ آپ کی اردو "تاریخ فتح قسطنطنیہ"، تھی جو سنہ ۱۹۱۴ میں شائع ہوی اور لسان العصر اکبر اله آبادی اور حکیم امت اقبال مرحوم نے اس کی دل کھول کر داد دی۔ خان بہادر صاحب ملت کی سچی دردمندی کے ساتھ افکار و مسائل حاضرہ پر گہری نظر رکھتے ہیں۔ آج کل دارالحکومت کراچی میں قیام ہے اور اپنے سنجیدہ خیالات سے یہاں کے جرائد کو مستفید فرماتے رہتے ہیں۔

۲۔ ڈاکٹر ابوظفر محمد طاہر صاحب :— جناب ڈاکٹر ابو ظفر محمد طاہر صاحب صفر المظفر ۱۳۲۵ھ میں پردۂ عدم سے عالم وجود میں آئے ۔ عروس البلاد کلکتہ جیسے غیر منقسمہ بنگال کے دھڑکتے ہوئے دل کی جنبت حاصل تھی آن کا مولد ہے ۔ عربی کی تعلیم آن کی خاندانی روایات میں داخل تھی اس لیے اس کی تکمیل کلکتہ کے مشہور مدرسہ عالیہ میں ہوئی ۔ اس کے بعد ڈاکٹری کی طرف متوجہ ہوئے ۔

ڈاکٹر صاحب اپنے علمی مشاغل اور سنجیدہ طبیعت کی وجہ سے ابتدا ہی سے اپنے ساتھیوں میں ممتاز رہے ۔ عربی ، فارسی ، بنگلا اور انگریزی چار زبانوں پر یکساں قدرت رکھتے ہیں ۔ موصوف کا ایمان ہے کہ آردو آج ترقی کے جن مدارج پر فائز ہے اس کو دیکھتے ہوئے اس برعظیم کا کوئی مسلمان اس زبان سے بے اعتنائی اختیار نہیں کرسکتا ۔ اس زبان کے جانے بغیر نہ اسلامیات سے کماحقہ واقفیت ہوسکتی ہے اور نہ کوئی مسلمان تعلیم یافتہ کہلاسکتا ہے ۔

ڈاکٹر صاحب ابتدائے شعور ہی سے شعر گوئی کی طرف مائل رہے اور تقریر و تحریر کے ذریعہ برابر آردو کی خدمت کررہے ہیں آن کے شاگردوں نے ” دبستان طاہر ،، کے نام سے ایک بزم ادب بھی قائم کرلی ہے جس میں مشاعرے مذاکرے وغیرہ ہوتے رہتے ہیں ۔ ایک کتب خانہ بھی اس بزم سے ملحق تھا ۔ بنگال میں آردو کے لیے ڈاکٹر صاحب نے بہت کام کیا ہے ۔ کئی اردو اسکول اور شبینہ مدارس ان کے حسن سعی سے قائم ہوئے ۔ فسادات کے بعد کلکتہ سے ڈھاکا آنا پڑا اور اب وہیں مقیم ہیں ۔

۳ - سید قمر الاحسن صاحب : سید قمرالاحسن صاحب زمینداروں کے ایک قدیم اور باعزت گھرانے میں ۱۰ پھاگن سنہ ۱۳۲۲ کو جیسور ضلع کے ایک مقام الو کدیا میں پیدا ہوئے۔ آن کی شادی ایک ریٹایرڈ ڈپٹی کمشنر اور آسام پبلک سروس کے سابق ممبر جناب خان بہادر عزیز الرحمن صاحب کی صاحبزادی سے ہوی ہے۔ تعلیمی میدان میں سید قمر الاحسن صاحب نے ہمیشہ نمایاں کامیابی حاصل کی - اپنی خوش تقریری اور زوردار تحریروں کی وجہ سے وہ اسکول کالج اور یونی ورسٹی میں ہمیشہ اپنے ساتھیوں میں ممتاز رہے - موصوف ڈھاکہ یونیورسٹی کے فارغ التحصیل ہیں۔

سید قمر الاحسن صاحب کے مضامین ملک کے اکثر مقتدر جرائد میں شائع ہوتے رہے ہیں - موصوف کو ہمیشہ سے قائداعظم رحمتہ اللہ علیہ سے دلی عقیدت رہی ہے اور وہ ہمیشہ خلوص اور بے خوفی کے ساتھ اپنے رہنما کے نقش قدم کی پیروی کرتے رہے اور اس سلسلے میں کبھی ذہنی آلجھن کے شکار نہیں ہوئے آن کی انگریزی کتاب " پاکستان کی تخلیق کا تدریجی مطالعہ " شائع ہوکر بازار میں آگئی ہے - پاکستان کی تمام سیاسی تصانیف میں یہ کتاب یقیناً ایک مفید اضافہ ہے - اس کا پیش لفظ وزیر امور کشمیر ڈاکٹر محمود حسین خان صاحب نے تحریر فرمایا ہے -

سید قمر الاحسن حق کے لیے جنگ کرنے سے کبھی گریز نہیں کرتے - آنہوں نے دورآزمائش و ابتلا میں بھی مسلم لیگ کا دامن نہیں چھوڑا سچای اور حق پسندی کے اسی جذبے سے وہ آج بھی سرشار ہیں - آج بھی وہ آردو کو پاکستان کی سرکاری زبان بنانے کے حق میں زبردست جد و جہد کر رہے ہیں - مارننگ

نموز کے ایڈیٹر کو انھوں نے ایک خط میں لکھا تھا کہ ''حالات کا یہ عجیب انقلاب ہے کہ وہ اُردو جو کل تک مسلمانوں کی سیاسی بیداری اور اُن کی قومی نشاۃ الثانیہ کی زبان تھی — ایک ایسی قیمتی چیز تھی جسے دنیا کی کسی دولت کے عوض چھوڑنا گوارا نہ کیا جا سکتا تھا—آج مسلمانوں ہی کا ایک گمراہ اور ناعاقبت اندیش طبقہ اس کی مخالفت پر کمربستہ ہے۔ پاکستان کو جو اُردو کا قدرتی وطن ہے اس کا قبرستان نہیں بننے دیا جائے گا۔ بابائے اُردو ڈاکٹر مولوی عبدالحق نے بالکل بجا فرمایا ہے کہ اُردو پاکستان میں قیام کے ارادے سے ہجرت کر کے آئی ہے۔ یہ ایک نئے دور کی نقیب ہے''۔

*

۴۔ جناب حکیم سلامت اللہ صاحب : آپ کے بزرگوں کو عہد عالمگیر بادشاہ میں ضلع چاٹ گام کی وسیع آراضی عطا ہوئیں جن کو انھی نے آباد کیا۔ حکیم صاحب سنہ ۱۸۹۸ میں پیدا ہوئے اور چاٹ گام پھر سلہٹ میں تعلیم حاصل کی۔ کلکتہ یونیورسٹی سے عالم اور بعد میں فاضل کی سند لے چکے ہیں۔ تعلیم حدیث کی تکمیل دھلی میں کی اور وہیں طبیہ کالج میں طب پڑھکر فاضل جراحت کے امتحان میں کامیاب ہوئے۔ بنگلہ زبان کا باقاعدہ مطالعہ کیا اور لسانیات سے خاص دلچسپی رکھتے ہیں۔ مسلمانوں کی تعلیمی اور سیاسی سود بہبود میں شروع سے انہماک رہا اور مختلف انجمنوں میں اخلاص و تن دھی سے کام کرتے رہے ہیں۔ حکیم صاحب نے بنگلہ تحریر کے مطابق رقوم کی چھوٹی چھوٹی

کسرِ نحریر کرنے کا طریقہ خود ایجاد اور "رسم سلامتی" سے موسوم کیا ہے۔

*

٥ - مولانا عبد اللہ الکافی القرشی صاحب :— مولانا عبداللہ الکافی موضع و ڈاک خانہ نورالھدیٰ، ضلع دبناج پور پاکستان شرق کے باشندے ھیں - آپ کا خاندان قدیم الایام سے اسلامی ، سیاسی و علمی تحریکات کے ساتھ واستہ رہا ہے - سمالی بنگال کی جماعت مجاھدین سلسلہ سید احمد بریلوی شہید رحمۃ اللہ سے اس خاندان کو پرانی نسبت رہی ہے - عبداللہ الکافی کے برادر اصغر مولانا عبداللہ الباقی مرکزی اسمبلی کے ممبر اور کانگرس کے پرانے لیڈر تھے - تقسیم سے پہلے وہ مسلم لیگ میں شامل ھوگئے اور مسلم لیگ کے ٹکٹ پر بنگال اسمبلی کے ممبر ھوگئے - اکتوبر ۱۹۵۲ ء کے قبل تک مسرقی بنگال صوبہ مسلم لیگ کے صدر تھے اس وقت مرکزی پارلیمنٹ کے ممبر ھیں -

مولانا عبداللہ الکافی علوم عربیہ ، اسلامیہ اور فارسی ، اردو ، بنگلہ اور سنسکرت کے فاضل جلیل ھیں - ان کی سیاسی تربیت مولانا ابوالکلام آزاد کے زیر سایہ کلکتہ میں ھوئی - تقسیم کے پہلے ھی وہ کانگریس کی سیاسات سے بیزار ھوکر مسلم لیگ اور پاکستان کے حامی ھوچکے تھے - بنگالہ کے وہ خطیب اعظم مانے جاتے ھیں - اردو تقریر و تحریر میں کم لوگ ان کا مقابلہ دیار مشرق میں کرسکتے ھیں - تقریر میں شان علمی و ادبی کے علاوہ روحانی کشش بلا کی ھوتی ہے صاحب تصنیفات کثیرہ ھیں - اردو کے علاوہ بنگلا کے مسلمہ ادیب و استاد ھیں بنگلا میں ان کی متعدد

علمی و اسلامی تصنیفات شائع ہوچکی ہیں - جن میں اسلامی سوشلزم یعنی "نظام اسلام"، اسلامی راشٹر یعنی اسلامی اسٹیٹ خاص طور سے قابل ذکر ہیں - مولانا عبداللہ الکافی جمعیۃ اہل حدیث بنگال و آسام کے صدر اور جماعت اہل حدیث مشرقی پاکستان کے مسلمہ امام ہیں - اس وقت پبنا مشرقی پاکستان آپ کی جمعیتہ، آپ کے پریس اور آپ کے اخبار کا مرکز ہے - جریدہ ترجمان اہلحدیث (بنگلا) پبنا کے اڈیٹر ہیں جو حلقہ علم و ادب میں بڑی عزت کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے - ایک عرصہ سے ان کی صحت خراب ہے - اللہ تعالیٰ ان کو صحت و قوت دے تاکہ وہ اسلام، پاکستان اور علوم اسلامیہ و تہذیب مسلمہ کی اعلیٰ خدمات انجام دے سکیں - مولانا بزم اقبال پبنا کے صدر اور بانی ہیں - آپ نے علوم و معارف اسلامیہ، ہندو فلسفہ اور حکمت اسلامیہ کا عمیق علمی مطالعہ کیا ہے وہ ہندوانی براہمنی بنگلا ادب کے زبردست علمی ناقد ہیں -

*

۶ - جناب کوی غلام مصطفیٰ صاحب بی - اے : بنگلہ زبان کے نامی گرامی شاعر اور مصنف، موضع منوہر پور (ضلع جسور) کے قدیم شرفا کے خاندان سے ہیں سنہ ۱۸۹۵ء میں پیدا ہوئے اور ابتدا سے نہایت ذہین اور ہونہار طالب علم تھے - کلکتے میں تعلیم پائی - آپ کی پہلی نظم "فتح ادرنہ"، جو بنگلہ اخبار "محمدی"، میں شایع ہوی ملی جوش کا ثبوت ہے - کلام کا پہلا مجموعہ "رکتا راگا"، دیکھ کر شاعر بنگال ٹاگور نے بہت داد اور دعا دی - آپ کی نظموں کے چار مجموعے شایع

ہوئے جن میں سے ایک مسدس حالی کا مکمل منظوم ترجمہ ہے - حضرت اقبال کی کئی نظموں کو بھی بنگلہ شاعری کا لباس پہنایا ہے اور انہی وجوہ سے اپنے صوبے میں بجا طور پر اقبال کے جانشین مانے جاتے ہیں - نثر میں کئی ادبی کتابوں اور بہت سے مضامین کے علاوہ اسلامیات پر متعدد تالیفات کیں جن میں سب سے ضخیم اور مفید سیرت نبوی پر لکھی ہے - اس کا اردو اور انگریزی میں ترجمہ کیا جا رہا ہے - غلام مصطفیٰ صاحب کی ذہانت کا بڑا کارنامہ یہ ہے کہ بنگلہ زبان کو اسلامی رنگ دینے کی کوشش کی جس سے وہ بالکل عاری تھی - موصوف مختلف تعلیمی عہدوں پر فائز رہنے کے بعد حال میں سرکاری ملازمت سے سبکدوش ہو گئے ہیں کہ سارا وقت ادبی خدمت کے لیے وقف کردیں - آپ بنگلہ میں مستقل طور پر ایک ماہانہ رسالہ " نوبہار " بھی شایع کرتے ہیں - ایسے مستند بنگلہ اور فاضل محب قوم کی سنجیدہ رائے قومی زبان کے مسئلے میں لازماً بڑی احترام کی مستحق ہے -

۷ - مولوی ابوالقاسم فضل الحق :- سابق وزیر اعظم متحدہ بنگال - اکتوبر سنہ ۱۸۷۳ء میں چاکھار ضلع باریسال (مشرق پاکستان) کے مشہور قاضیوں کے قبیلے میں پیدا ہوئے - ابتدائی تعلیم گھر پر ہی ہوئی اس کے بعد باریسال ضلع اسکول میں داخل ہوئے سنہ ۱۸۹۴ء میں پریسڈنسی کالج کلکتہ سے تین چیزوں میں امتیاز کے ساتھ بی اے کیا اور سنہ ۱۸۹۵ء میں ریاضی میں ایم اے کیا - سنہ ۱۸۹۷ء میں بی - ایل کیا - سنہ ۱۸۹۸ء میں نواب سید محمد خان بہادر کی بڑی صاحبزادی سے آپ کی شادی ہوگئی اور سنہ ... ء میں ہائی کورٹ کے وکیل ہوگئے - سنہ

۱۹۰۳-۴ء میں راج چندر کالج میں پروفیسر رہے - سنہ ۱۹۰۱-۶ء تک "بالک" کی ادارت کے فرائض انجام دیے - سنہ ۱۹۰۰-۳ء تک "بھارت سرچد" کے شریک مدیر رہے - ۱۹۰۶ء میں بنگال بہار اور آسام کے محکمہ امداد باھمی کے کلکٹر اور پھر اسسٹنٹ رجسٹراری کے عہدہ پر فائز ھوے - بعد میں حکام بالا سے اختلاف کے باعث سرکاری ملازمت سے مستعفی ھو کر دوبارہ وکالت کا پیشہ اختیار کیا - ۱۹۱۳ میں سرکاری ملازمتوں کے سلسلے میں جو شاھی کمیشن بیٹھا تھا اس کے رو برو آپ نے شہادت دی - ۱۹۱۳-۲۰ تک بنگال کی سابق لیجسلیٹو کونسل کے رکن رہے - لیجسلیٹو کونسل کے لیے وہ مخلوط انتخاب میں کام یاب ھوے تھے - سنہ ۱۹۲۰-۲۵ تک مانٹفورڈ کی اصلاح کردہ کونسل کے منتخب رکن رہے اور سنہ ۱۹۳۵-۳۷ء تک دھلی کی مرکزی مجلس قانون ساز کے رکن رہے - سنہ ۱۹۲۴ء میں وہ متحدہ بنگال کے وزیر تعلیم بھی ھو گئے تھے -

ان کی پبلک خدمات کی فہرست طویل ھے - ۱۹۱۶-۳۱ء تک وہ صوبائی مسلم لیگ کے سیکرٹری رہے اور سنہ ۱۹۱۶-۲۱ء تک صدر رہے - سنہ ۱۹۱۸ء میں دھلی میں جو آل انڈیا مسلم لیگ سشن ھوا تھا موصوف نے اس کی صدارت فرمائی تھی - سنہ ۱۹۱۸ء میں انڈین نیشنل کانگرس کے سیکرٹری بھی رہے - سنہ ۱۹۲۰ء کی بنگال صوبائی کانفرنس مدنا پور کی صدارت بھی انھوں نے کی تھی - سنہ ۱۹۱۹ء میں لکھنؤ کے مقام پر جو مشہور لیگ کانگرس پکیٹ ھوا تھا مولوی فضل الحق صاحب اس کے دستخط کنندگان میں شامل تھے - سنہ ۱۹۳۰-۳۱ء و ۱۹۳۱-۳۲ء کی گول میز کانفرنس میں شریک ھوے -

انھوں نے کریشک پرجا پارٹی قائم کی اور سنہ ۱۹۲۷ء سے وہ اس کے صدر چلے آتے ھیں - سنہ ۱۹۳۵-۳۶ء میں وہ کلکتے کے مئر بھی ھو گئے تھے - اصلاح شدہ صوبائی اسمبلی کے ممبر بھی منتخب ھوے اور یکم اپریل سنہ ۱۹۳۷ء سے ۱۹۴۳ء تک متحدہ بنگال کے وزیر اعظم رہے - سنہ ۱۹۴۴ء میں حزب الاختلاف کے قاید ھوے - قیام پاکستان سے پہلے وہ لیگ سے الگ ھو گئے تھے - اس وقت بھی مجلس دستورساز کے رکن ھیں -

تعارف

(از بابائے اردو ڈاکٹر مولوی عبدالحق
مدظلہ صدر انجمن ترقی اردو)

نہ معلوم یہ خیال کیوں عام طور پر لوگوں میں پھیل گیا ہے کہ مشرقی پاکستان کے مسلمان اردو کے مخالف ہیں ۔ غالباً یہ خیال اس وقت پیدا ہوا جب سنہ ۱۹۴۸ع میں ڈھاکہ یونی ورسٹی کے طالب علموں کی ایک مختصر جماعت نے اپنے بعض پروفیسروں اور چند خود غرض حضرات کی شہہ پا کر اردو کی مخالفت میں ہنگامہ برپا کیا تھا ۔ ان میں ایک تو وہ لوگ ہیں جنہوں نے انگریزی اور بنگالی زبانوں میں تعلیم پائی اور اپنی زبانوں اور قومی اور اسلامی روایات اور تہذیب سے بیگانہ رہ گئے دوسرے وہ ہیں جو اس طرح کے فساد اور ہنگامے سے فائدہ اٹھا کر ذاتی اغراض حاصل کرنا چاہتے ہیں ۔ اس جماعت کے حامیوں کی تعداد بہت کم ہے ۔ نہ صرف ڈھاکے اور دو چار اور بڑے شہروں میں پائے جاتے ہیں ۔ باقی تمام مقامات میں لوگ اردو کا بڑا احترام کرتے ہیں ۔ اور اسے مقدس زبان سمجھتے ہیں ۔ مجھ سے ایک بار جناب خواجہ ناظم الدین صاحب (وزیر اعظم پاکستان) نے فرمایا کہ مشرقی پاکستان کے تمام شریف خاندانوں کی زبان اردو ہے ۔ ویسے بھی وہاں کے شہروں اور قصبات میں آپ کو ہر جگہ اردو بولنے اور سمجھنے والے ملنگے جسے یقین نہ ہو وہ سلہٹ جا کر دیکھ لے وہاں خاص و عام سب اردو بولتے اور سمجھتے ہیں ۔ بولنے اور سمجھتے ہی نہیں ان میں سے اکثر اردو بے تکلف لکھتے

ھیں اور اس کے بڑے حامی ھیں - مخالف جماعت کی شورش کا جواب جس جراُت اور سختی سے اھل سلھٹ نے دیا وہ کسی اور سے نہ ھو سکا - افسوس یہ ھے کہ اس علاقے میں اردو کی ترویج کے لیے کبھی کام نہیں کیا گیا - اور نہ حکومت نے اس طرف توجہ فرمائی - ورنہ یہ خطہ اردو کے قبول کرنے میں سب سے آگے ھوتا -

میں اس موقع پر بنگلہ اردو کے مسئلہ پر کچھ نہیں کہنا چاھتا - بلکہ آپ کی خدمت میں مشرقی پاکستان کے بعض اھل نظر اور صاحب بصیرت حضرات کے مضامین اور اقوال پیش کرتا ھوں - جن کے ملاحظہ کے بعد آپ پر ظاھر ھوگا کہ مشرقی پاکستان کے مسلمانوں کو جو اردو دشمنی کا الزام دیا جاتا ھے وہ سرا سر غلط اور محض بہتان ھے - وھاں کے ذی فہم اور دور اندیش اصحاب اردو کو پاکستان کی سرکاری زبان بنانے کے حق میں ھیں - ان مضامین میں انہوں نے نہایت قوی دلائل سے ان بد گمانیوں کو رفع کیا ھے اور ان مفروضہ نقصانات کی تردید کی ھے جو اردو کے سرکاری زبان ھونے سے لوگوں کے دلوں میں پیدا کیے گئے ھیں اور ان فوائد سے بحث کی ھے جو ملک کو اردو کے سرکاری بننے سے حاصل ھوں گے - اب رھی یہ بات کہ صوبائی زبانوں کو بھی ترقی پانے کا موقع ملنا چاھئے - اس سے کسی کو انکار نہیں ھو سکتا - ھر صوبائی زبان کو پھولنے پھلنے اور ترقی کرنے کا حق حاصل ھے - اور اردو کے سرکاری اور قومی زبان ھونے سے یہ مقصد زیادہ آسانی اور خوبی کے ساتھ حاصل ھوگا -

۴ ۲ - اگست سنہ ۱۹۵۲ ع

مشرقی پاکستان کو فوری خطرہ

(بدرالدین احمد صاحب)

مندرجہ ذیل سطور کو ضبط تحریر میں لانے اور انہیں چند سرکاری اور نیم سرکاری آراء اور خطوط کے ساتھ (جو اس مسئلے پر میں اس سے پیشتر لکھ چکا ہوں) چھپوانے کا محرک میرا وہ احساس فرض ہے جو اسلام اور قوم کی جانب سے مجھ پر عائد ہوتا ہے۔ یہ میرا فرض اولین ہے کہ میں قوم کو ان فوری خطرات کی نزاکت اور اہمیت سے آگاہ کردوں جو ہماری نوزائیدہ اسلامی مملکت، پاکستان کے مشرقی حصے کو لاحق ہیں۔

متذکرہ بالا فوری خطرے کی بنیاد ہندوؤں کی وہ ثقافتی برتری اور فتح مندی ہے جس کی ابتدا اس وقت سے ہوئی جب کہ فارسی سے ملک کی عدالتی زبان ہونے کا تاج چھنتا گیا۔ مسلمانوں کو ثقافتی میدان میں جو ہزیمت ہو رہی تھی اس کی رفتار دو اسباب کی بنا پر تیز تر ہوگئی۔ پہلا سبب تو یہ کہ ملک کے انتظامی معاملات میں ہندوؤں کا اثر اور اقتدار روز بروز بڑھ رہا تھا دوسرے مسلمانوں نے دور اندیشی کے فقدان کی وجہ سے اردو، کی طرف توجہ نہ کی اگر فارسی کے ہٹنے کے بعد مسلمان اردو، تعلیم کی طرف توجہ کرتے تو ثقافتی اور مذہبی تعلیم میں فارسی کے اخراج کے باعث جو خلا پیدا ہوگیا تھا اسے آسانی کے ساتھ پر

کیا جاسکتا تھا ۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ پرانے پرانے تعلم یافتہ خاندان جن کے رگ ریشے میں اسلامی ثقافت رچی اور بسی ہوئی تھی رفتہ رفتہ اپنے مرکز سے دور ہٹتے گئے اور نئی نسلوں پر ہندوؤں کے اثرات بڑھنے لگے ۔ ان حالات میں فارسی کی تعلیم اور اس کے اثرات کا دائرہ عربی فرانسیسی سنسکرت لاطینی وغیرہ زبانوں کی طرح محدود ہو کر رہ گیا کیونکہ یہ زبان بھی آن قدیم کلاسیکی زبانوں کی فہرست میں شامل ہو گئی جو اسکولوں اور کالجوں میں پڑھائی جاتی ہیں اور اس زبان میں اتنی جان نہ رہی کہ یہ طالب علموں کے ذہنوں میں کوئی مستقل تبدیلی پیدا کر سکے کیونکہ وہی زبان قوم کے مزاج پر اثر انداز ہو سکتی ہے اور اس کی ذہنی ساخت میں تبدیلی پیدا کرسکتی ہے جس میں کہ عوام بات چیت کریں، سوچیں اور گائیں ۔ جس زمانے میں اس ملک پر انگریزوں کا قبضہ ہوا اور مسلمانوں کے اقتدار کا خاتمہ ہو رہا تھا اس وقت بھی تعلیم یافتہ مسلمان فارسی زبان ہی میں سوچتے اور گاتے تھے ۔ کم سے کم ایسے نجی خطوط تو وہ ہمیشہ اسی فارسی زبان میں (جو قرآن کے مقدس حروف میں لکھی جاتی ہے) تحریر کرتے تھے کیونکہ یہ زبان نہ صرف اسلامی تعلیمات کا خزانہ ہے بلکہ اسلامی روایات اور ثقافت کے آثار بھی اس میں محفوظ ہیں ۔ دیسی بنگالی بھی جو غیر تعلیم یافتہ مسلمانوں کے جذبات و خیالات کے اظہار کا آلہ تھی فارسی اور عربی کے اثر سے آزاد نہ رہ سکی ۔ اس میں نہ صرف ان زبانوں کے الفاظ داخل ہوئے بلکہ اسلامی تصورات کا بھی اثر پڑا ۔ لیکن جوں ہی عدالتوں سے فارسی کا اخراج عمل میں آیا مسلمانوں پر سرکاری ملازمتوں کے دروازے بند ہو گئے ۔ ”بازیافت کی کاروائی“ نے تو مسلمان زمین داروں کو چشم زدن

میں کوڑی کوڑی کو محتاج کردیا ۔ یہ طبقہ اس ضرب کاری کی تاب نہ لا سکا اور اپنی پریشانیوں میں مبتلا ہوگیا ۔ نتیجہ یہ ہوا کہ مسلمانوں کا نچلا طبقہ قابل اور دور اندیش رہنماؤں کی قیادت سے محروم ہوگیا ۔ اور ان کے نقصانات کی تلافی کی تدبیریں بتانے والا بھی کوئی باقی نہ رہا ۔ ان بے بس مسلمانوں کی تنظیم ختم ہو چکی تھی اور اب وہ مجبوراً ہوا کے رخ پر چلنے لگے ۔ انھیں ہندوؤں کی بنگالی کو قبول کرنا پڑا جو اسلامی اثرات سے یک سر پاک اور ہندو علم الاصنام سے لبریز تھی ۔ ادھر ہندو یوماً فیوماً سیاسی اور معاشی نقطہء نظر سے آگے بڑھ رہے تھے ۔ انہوں نے بنگالی میں سنسکرت کی روح داخل کرنا شروع کردی اور اس طرح یہ زبان پورے طور پر ہندوؤں کے اثرات سے مملو ہو گئی ۔ ظاہر ہے کہ اس قسم کے ادب کا اثر مسلمانوں کی ذہنیت کو مسخ کئے بغیر نہ رہا ۔ مسلمانوں میں احساس کم تری پیدا ہو گیا ۔ اگر ہندو مذہب میں مذہبی تبدیلی کو قبول کرنے کی گنجائش ہوتی تو بے شمار مسلمان از سر نو ہندو مذہب قبول کر کے مرتد ہو جاتے ۔ اور اسی حالت کفر میں آ جاتے جس میں قبول اسلام سے پیشتر ان کے آباؤ اجداد مبتلا تھے ۔ بنگالی زبان کی پیدا کردہ ثقافت کے زیر اثر مسلمان جس ذہنی مذلت میں گرے اس کا بہترین ثبوت ذیل کا اقتباس ہے جو ڈاکٹر چندر سین کی کتاب " بنگالی زبان و ادب کی تاریخ " سے لیا گیا ہے ۔ یہ کتاب سنہ ۱۹۱۱ء میں کلکتہ یونیورسٹی نے چھاپ کر شائع کی تھی ۔ مصنف نے مسلمانوں پر ہندوؤں کی ثقافتی فتح کا تذکرہ غالباً غیر شعوری طور پر ذیل کے الفاظ میں کیا ہے ۔

•"جس دیوی کی پرستش کا بودھوں میں سب سے زیادہ رواج تھا وہ لکشمی دیوی یا "سری" تھی بہت سے بودھ مندروں کے دروازے پر اس دیوی کا ابھرا ہوا نقش نظر آتا ہے جسے نمایاں جگہ دی گئی ہے۔ یہ عجیب بات ہے کہ دیہاتی مسلمانوں کے ایک طبقے کا خاص پیشہ لکشمی دیوی کی تعریف میں بنگالی نظمیں اور گیت گا کر روزی کمانا ہے۔ یہ کام تمام تر مسلمانوں کے ہاتھ میں ہے اور ان کے ہندو بھائیوں کو اس پر کوئی اعتراض نہیں" (صفحہ ۳٦۸)

"علاول نے ہندوؤں کی مذہبی تقریبات ان کے رسوم و رواج اور عادات و اطوار کی تفصیلات اس درجہ صحت اور وضاحت کے ساتھ بیان کی ہیں کہ سخت حیرت ہوتی ہے۔ یہ تعجب ہی کی تو بات ہے کہ ایک مسلمان مصنف کے قلم سے یہ چیزیں اس قدر صحت کے ساتھ کیونکر قلم بند ہوئیں۔ ہندوؤں کی بعض مذہبی تقریبات مثلاً "پرکاش وندنا" سے متعلق بعض چھوٹی چھوٹی رسموں کا ذکر اس نے اس وضاحت سے لکھا ہے کہ اس کی جزئی معلومات پر رشک ہوتا ہے کیوں کہ ان امور کا علم صرف کسی تجربہ کار برہمن ہی کو ہو سکتا ہے ....مسلمان شاعر ہندوؤں کے دیوتا سیوا کی تعریف میں انتہائی غلو سے کام لیتا ہے۔ اس کی پوری نظم میں ایک معتقد ہندو کا لہجہ اور جذبہ کار فرما نظر آتا ہے۔ سب سے زیادہ تعجب کی بات یہ ہے اس شاعر کے کلام کو چاٹگام کے پڑھے لکھے مسلمانوں نے نہایت حفاظت سے سنبھال کر رکھا ہے۔ پدماوتی کے جو قلمی نسخے دستیاب ہوئے ہیں یہ چاٹگام کے عقبی جنگلات کے اس علاقے سے ملے ہیں جو

اراکان کی سرحد سے ملا ہوا ہے ۔ یہ نسخے فارسی رسم الخط میں نقل کئے گئے ہیں اور ان مقامات کے دیہاتی مسلمانوں نے ان کی حفاظت کی ہے ۔ آج تک کسی ہندو نے اس کے پڑھنے کی طرف توجہ نہیں کی ۔ اس سے ثابت ہو جاتا ہے کہ ہندو ثقافت کے اثرات کس حد تک مسلمانوں کے مذاق میں پیوست ہو گئے ہیں ،،

(صفحہ ٦٢٥-٢٦)

"بہت سے مسلمان ہندو مندروں میں پوجا کرتے ہیں اسی طرح بہت سے ہندو مسلمانوں کی مساجد میں سنی پڑھتے ہیں ۔۔۔۔۔۔ ضلع ٹپرا کے ایک باشندے مرزا حسن علی نے جس کو مرے ہوئے سو سال گذر چکے ہیں نہ صرف کالی دیوی کی تعریف میں گیت تصنیف کئے ہیں، بلکہ اپنے مکان میں بہت دھوم دھام سے اس کی عبادت بھی کرتا تھا مرزا کا ایک ہم عصر غریب حسن چودھری ڈھاکہ کا رہنے والا تھا ۔ وہ سیتلا دیوی کا کٹر معتقد تھا جو چیچک کی دیوی سمجھی جاتی ہے اور ہندو اس کی پرستش کرتے ہیں ۔ آج کل بھی ٹپرا میں پیشہ ور مسلمان گائکوں کی ایک جماعت ہے جو کالی کی تعریف میں گیت گاتی ہے اس جماعت کا قائد گل محمد ہے ۔ اس معاملے میں گل محمد اور اس کے رفقا کو امتیازی حیثیت حاصل ہے اور کٹر ہندوؤں نے مسلمانوں کے سے نام رکھ لئے ہیں اور اکثر مسلمانوں نے ہندوانا نام رکھ چھوڑے ہیں اور اب بھی اس ملک میں اس قسم کی مثالیں عام ہیں ۔

(صفحہ ٩٣-٩٤)

"راج شاہی کے مسلمانوں کو بھاسن گان یا ماناسا دیوی کی تعریف کے گیت گانے میں ایک قسم کی اجارہ داری حاصل ہے

چاٹگام میں خیالات کی یہ آمیزش اور ایک فرقہ کے رسوم و رواج کا دوسرے فرقے میں مروج ہونا اپنے انتہائی عروج پر نظر آتا ہے چاٹگام کا ایک اور شاعر آفتاب‌الدین (جس نے ۱۷۵۰ء میں "جمبل دلارام"، مثنوی لکھی ہے) لکھتا ہے کہ اس کے قصے کا ہیرو جو مسلمان ہے ,,ساب نارسیوں،، (ہندوؤں کے سات بوجھ بجھکڑ جن کا ذکر علم‌الاصنام میں آتا ہے) سے عطیات لینے کی غرض سے تحت‌الثریٰ میں جاتا ہے،، (صفحہ ۶۹۶)

چاٹگام کے مقام سبنا کونڈو کے ایک باشندے کریم‌اللہ نے سنہ ۱۷۸۰ء میں ایک کہانی "یمینی دحل" لکھی ہے اس قصے کی ہیروئن ایک مسلمان لڑکی ہے۔ اور ایک مقام ایسا آتا ہے جہاں یہ لڑکی ہندوؤں کے دیوتا سیوا سے دعا مانگتی ہے۔ ایک اور کتاب "امام بادرار دوبھی" کے مسلمان مصنف نے علم کی دیوی سرسوتی کو مخاطب کرکے اس کی تعریف میں ایک نظم لکھی ہے۔

چاٹگام کے ایک ممتاز شاعر کرم علی نے رادھا اور کرشن کی تعریف میں انتہائی نفیس شعر کہے ہیں اس کے ایک بند کا مفہوم یہ ہے۔

کرم علی شاعر کہتا ہے "رادھا میری بات سنو، کرشن تو ہر وقت تمہارے من میں رہتا ہے پھر تم روحانی اتصال سے لطف اندوز کیوں نہیں ہوتیں——روتی کیوں ہو؟،، (صفحہ ۶۹۸-۶۹۹)

"مسلمان مصنفین کا کلام جو متفرق شعرا کے باب میں درج ہے زیادہ تر اضلاع اسکول چاٹگام کے سابق ہیڈ ماسٹر منشی

عبدالکیم کی تحقیق و دریافت کا نتیجہ ہے ہم نے ان مخطوطات کو اپنی آنکھ سے نہیں دیکھا ہے۔ بلکہ ونگیا ساھتیہ پرسد پتریکا میں وقتاً فوقتاً اُن کے متعلق مختصر مضامین شائع ہوتے رہے ہیں۔ ہمارا یہ تذکرہ اسی یرچسے کی بنیاد پر مرتب ہوا ہے۔ اگر کوئی صاحب ان مخطوطات کا پتہ لگانا چاھیں تو وہ منشی عبدالکریم کی مدد سے کامیاب ہو سکیں گے۔

اوپر جن مسلمان شعرا کا ذکر کیا گیا ہے ان کے کلام میں رادھا کرشن کی تعریف میں بے شمار نظمیں ملتی ہیں۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ ویشنوؤں کے عاشقانہ گیت ان کے طبقے کے باھر بھی مقبول اور پسند خاطر تھے۔ بت سکنوں کی وہ نسل بھی ان گیتوں سے متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکی جو ایک زمانے میں ھندو مندروں کے انہدام میں فخر محسوس کرتی تھی۔

اس کتاب میں جن مسلمان مصنفین کا ذکر کیا گیا ہے ان کی تصنیفات کم و بیش سنسکرت آمیز بنگالی میں ہیں۔ انہیں مسلمانی بنگلہ میں سمجھنا صحیح نہ ہوگا۔ مسلمانی بنگلہ تو بگڑی ہوئی بنگالی میں اردو، فارسی اور عربی الفاظ کی آمیزش سے وجود میں آئی ہے۔ (صف ۴-۳-۸۰)

یقیناً ایک مسلم ھائی اسکول کے سابق ھیڈ ماسٹر منشی عبدالکریم نے اپنی زندگی بنگالی ادب کی تحقیقات میں صرف کردی ہوگی۔ مگر بنگال میں کتنے اسکولوں کے ھیڈ ماسٹر ہیں جو آج بھی عربی فارسی اور اردو کے الفاظ کا تلفظ صحت کے ساتھ ادا کر سکتے ہیں؟

اس طرح رفتہ رفتہ مسلمان اسلامی روایات اور اسلامی برادری کے تصورات سے بیگانہ ہوتے چلے گئے ۔ تاہم سیاسی ضروریات کے تحت بالخصوص ملک کی انتظامی مشینری اور اقتدار میں حصہ لینے کے خیال سے وہ اس برعظیم کے مسلمانوں کی مشترکہ تنظیم سے منسلک رہنے پر مجبور ہوئے بے شمار مسلمانوں نے ہندوؤں کا لباس اور ان کے طریق زندگی کو پسند کر لیا ۔ دوسرے مسلمان جو اس حد تک نہ جا سکے وہ بنگالی ہندوؤں کے مقابلے میں غیر بنگالی مسلمانوں کی صحبت میں زیادہ مغائرت محسوس کرتے تھے ۔

غرض ۱۴ اگست ۱۹۴۷ع کو جب پاکستان کی نئی مملکت عالم وجود میں آئی تو مسلمانان بنگال کی جو معاشرتی اور تعلیمی حالت تھی اس کا ھلکا سا اندازہ مندرجہ بالا سطور سے ہوسکتا ہے ۔

اب جب کہ نئی اسلامی ریاست عالم وجود میں آ چکی ہے ہماری قومی یک جہتی ، استحکام ملت اور تحفظ آزادی کے مفاد میں ضروری ہے کہ ہم اپنے نظام تعلیم پر نظر ثانی کر کے اسے از سر نو مدون کریں اور ہماری ایک مشترکہ سرکاری زبان ہو ، کوئی ذہین اور بے نفس شخص ان قومی ضروریات کی اہمیت سے انکار نہیں کر سکتا اور نہ ان مقاصد کے حصول میں ریاست کی امداد سے دامن کشی اختیار کر سکتا ہے ۔ واقعہ یہ ہے کہ مغربی پاکستان کے صوبہ جات سرحد ، پنجاب ، سندھ و بلوچستان کی زبان اگر چہ اردو نہ تھی مگر ان صوبوں نے مرکزی حکومت سے ہر طرح تعاون کیا ہے لیکن صرف مشرق بنگال کی جانب سے جو ہماری نوزائیدہ مملکت کا داھنا بازو ہے ایک ایسی آواز اٹھی ہے

جو ساز کے دوسرے پردوں سے ہم آہنگ نہیں ہے ۔ اس صوبے کے ایک طبقے نے اردو کے سرکاری زبان قرار دیئے جانے کے فیصلے کے خلاف احتجاج کیا ۔ اگر گزشتہ دور میں مسلمانان بنگال کو دور بیں رہنماؤں کی قیادت حاصل ہوتی اور اسی زمانے سے مسلمان لڑکوں اور لڑکیوں کے لئے اردو کی تعلیم کا مناسب بند و بست کیا جاتا تو یہاں کے عوام میں اسلامی نقطہ نظر پیدا ہو جاتا ۔ اس صوبے میں تو خصوصیت کے ساتھ اسلامی نقطہ نظر کی تعلیم ضروری تھی ۔ کیوں کہ اول تو یہ صوبہ مسلمانوں کی اکثریت کے علاقوں سے کافی دور واقع ہے اور دوسرے آزاد اسلامی ممالک سے بھی جغرافیائی بعد کے باعث اس کا کبھی براہ راست تعلق نہیں رہا ۔ اگر ہمارے رہنماؤں نے دور اندیشی سے کام لیا ہوتا تو اس صوبے کے ایک طبقے کی طرف سے اردو کے خلاف صدائے احتجاج بلند نہ ہوتی ۔ گزشتہ نصف صدی سے یہاں کے مسلمانوں پر ہندوؤں کی معاشرت اور تعلیم کا گہرا رنگ چڑھا ہوا ہے پھر یہ کس طرح ممکن ہے کہ قیام پاکستان کے بعد چشم زدن میں یہاں کے مسلمان ذہنی غلامی کے اس طلسم سے آزاد ہو جائیں ۔ بنگال کے مسلمانوں کو ہندوؤں کے اثرات سے آزاد ہونے کی ضرورت کا احساس اس وجہ سے بھی نہیں ہو سکا ہے کہ یہ لوگ عام قتل و غارت ، لوٹ مار اور آتش زنی کے اس طوفان سے بالکل محفوظ رہے ہیں جن سے اس برعظیم کے شمالی حصے کے مسلمانوں کو گذرنا پڑا ہے ۔ شمالی ہند کے مسلمانوں کو ہندوؤں کے مظالم کا حالیہ فسادات میں کافی تلخ تجربہ ہو چکا ہے لیکن بد قسمتی سے فی الوقت اردو کے بنگالی مخالفین میں

اتنی سوجھ بوجھ نہیں ہے کہ وہ یہ سمجھ سکیں کہ اگر اس دوزافتادہ صوبے کے مسلمان بقیہ پاکستان سے متحد ہو کر نہ رہے تو صرف دس سال کے مختصر عرصے میں ان کی قومی خصوصیات کا خاتمہ ہو جائے گا۔ ذہنی اور ثقافتی نقطہ نظر سے مشرق بنگال کا مغربی پاکستان سے بے تعلق رہنا ہر اعتبار سے نقصان رساں ہے کیوں کہ مغربی پاکستان اپنے نصب العین اور تعلیمی نقطہ نظر سے آزاد اسلامی ممالک کے ساتھ مربوط و ہم آہنگ ہے۔ دنیا کے نقشے پر لاہور سے لے کر مراقش تک اسلامی آبادی کا جو طویل سلسلہ نظر آتا ہے۔ اس کی ابتدا مغربی پاکستان سے ہوتی ہے۔ کاش اردو کے خلاف احتجاج کرنے والے بنگالی بھائی یہ سمجھ سکتے کہ اگر مشرقی بنگال مغربی پاکستان سے بے نیاز ہو کر رہا تو پھر اس علاقے کا ہندو بھارت میں شامل ہونا ناگزیر ہو جائے گا۔ اس صورت میں مشرقی بنگال کی سیاسی حیثیت ختم ہو جائے گی۔ ہمارے بیٹے پوتے اور آئندہ نسلیں ہندوؤں کی ابدی غلامی میں مبتلا ہو کر اچھوتوں اور شودروں کے درجے سے بھی گر جائیں گی۔ کیا ہمیں یہ گوارہ ہے کہ ہماری اولاد ہندوؤں کے لکڑھاروں یا بہشتیوں کی حیثیت سے زندگی بسر کرے۔ اس وقت مشرقی پاکستان والے اردو کی مخالفت صرف اس خوف سے کر رہے ہیں کہ اگر اردو کو سرکاری زبان بنادیا گیا تو تمام سرکاری ملازمتوں پر مغربی پاکستان والے قابض ہو جائیں گے اور زبان دانی میں مشرقی پاکستان والے ان کا مقابلہ نہ کر سکیں گے۔ یہ اندیشہ قطعی بے بنیاد ہے اور بعض خود غرض لیڈر اس خطرے کو بڑھا چڑھا کر پیش کر رہے ہیں۔ ان کی سمجھ میں یہ سیدھی

سی بات نہیں آتی کہ اردو سرکاری زبان کی حیثیت سے انگریزی
کی جگہ رفتہ رفتہ لے لے گی ۔ ایسی صورت میں متذکرہ صدر اندیشہ
کی کوئی حقیقت باقی نہیں رہتی جب کہ پشتو بولنے والے
پٹھان ، پنجابی زبان بولنے والے پنجابی اور سندھی زبان بولنے والے
سندھی عوام اردو کو سرکاری زبان بنانے پر رضا مند ہیں تو
بنگالیوں کے لیے کوئی معقول وجہ نہیں رہ جاتی کہ وہ اردو کی
مخالفت کر کے اپنے احساس کمتری اور تنگدلانہ ذہنیت کا مظاہرہ
کریں ۔ ایک مسلم ریاست میں تو ان کے لیے ترقی کے مساوی
مواقع حاصل رہیں گے ۔ لیکن اگر بنگالی زبان ان کی سرکاری زبان
رہی اور وہ کسی دوسری مملکت کی سیاسی غلامی میں آ گئے تو
کیا انہیں ترقی کے مساوی مواقع حاصل ہو سکتے ہیں ؟ ہمارا خیال
ہے کہ ایسا ہونا غیر ممکن ہے ۔

اردو کے مخالفین اس قسم کے پیش پا افتادہ دلائل دیتے رہتے
ہیں کہ اگر اردو سرکاری زبان قرار پا گئی تو بنگالی مسلمانوں
کی ثقافت تباہ ہو جائے گی ، دوسرے پاکستان میں بنگالی بولنے
والوں کی تعداد بنگالی نہ بولنے والوں سے بہت کم ہے تیسرے
بنگالی ادب بہت زیادہ ترقی یافتہ ہے وغیرہ وغیرہ ۔ ان دلیلوں
کا جواب دینے سے پہلے میں یہ سوال کروں گا کہ گزشتہ
ایک صدی سے انگریزی زبان اس ملک کی سرکاری زبان کے مسند
پر فائز رہی اس وقت بنگالی مسلمانوں کو اپنی ثقافت کے لیے
کوئی خطرہ کیوں نظر نہ آیا دوسرے اصل بات تو یہ ہے کہ
مسلمانوں کو تو ایک ہی قسم کی ثقافت عزیز ہو سکتی ہے اور
وہ ہے اسلامی ثقافت ۔ اسلامی نقطہ نظر سے اس بات کے کوئی معنی

نہیں کہ بنگالی ثقافت یا کوئی اور ثقافت زندہ رہے یا ختم ہو جائے یہ کس طرح ممکن ہے کہ ایک تو دوسرے، مسلمانوں کے ساتھ مل کر " اسلام زندہ باد " کے نعرے لگائیں اور دوسری طرف ان کے بر خلاف ایک ثقافت کا عشق اپنے سینے سے لگائے رہیں جس کی بنیاد غیر اسلامی ادب پر استوار ہو ۔ جہاں تک عددی اکثریت کے مسئلے کا تعلق ہے یہ بات اچھی طرح سمجھ لینی چاہیے کہ یہ ضروری نہیں ہے کہ اکثریت کا فیصلہ ہمیشہ عقلمندی پر مبنی ہو، نہ کثرت تعداد ثقافتی پس ماندگی کے لیے وجہ جواز بن سکتی ہے ۔ اگر ثقافتی برتری کا انحصار کثرت تعداد پر ہوتا تو آج تہذیب انسانی کی تاریخ بہت کچھ مختلف ہوتی ۔ جہاں تک اس برعظیم کی دیسی زبانوں کی صلاحیتوں کا تعلق ہے اردو کے علاوہ کوئی زبان اب تک یہ ثابت نہیں کر سکتی ہے کہ وہ سائنس کی اعلا تعلیم کے لیے موزوں ہے ۔ اس کے برخلاف عثمانیہ یونی ورسٹی میں ایک ربع صدی سے زیادہ عرصے تک اردو فنون اور سائنس کی اعلا درجن تعلیم کا ذریعہ رہی ہے اس تجربے کی کامیابی کا ادنا ثبوت یہ ہے کہ دنیا کی شہرہ آفاق یونی ورسٹیوں یعنی آکسفورڈ اور کیم برج تک میں جامعہ عثمانیہ کی ڈگریاں تسلیم کی جاتی ہیں ۔

اردو کو پاکستان کی سرکاری زبان بنانے کے خلاف چند اور دلیلیں بھی دی جاتی ہیں لیکن ان دلائل کو جدت طرازی کا منتہائے کمال سمجھنا ذہنی ناپختگی اور علمی سطحیت کی دلیل ہو گی ۔ ان دلیلوں کی اہمیت محض اس وجہ سے بڑھا دینا کہ یہ بعض ایسے حضرات کی ذہنی اپج کا نتیجہ ہیں جو خود کو

قومی لیڈر سمجھتے ہیں درست نہ ہو گا ۔ ان پر بحث کرنا یا ان کی تردید کے لیے دلائل لانا محض تضیع اوقات ہے ۔

سوجودہ حالات میں یہ ضروری ہے کہ اس صوبے کے رہ نماؤں کو وقت کی نزاکت کا احساس پیدا ہو اور وہ اس خطرے کی اہمیت کا اندازہ لگا لیں جو پاکستان کے مشرقی صوبے کو لاحق ہے۔ اگر اس صوبے کے موجودہ نظام تعلیم میں بلا۔تاخیر مزید اساسی تبدیلی نہ کی گئی اور اردو کی تعلیم طلبہ کے لیے لازمی قرار نہ دی گئی تو مشرقی بنگال اس خطرے کا شکار ہو جائے گا ۔ اگر کسی طبقے کی طرف سے نئے نظام تعلیم کی مخالفت کی جائے تو اسے بغیر کسی جھجک کے سختی کے ساتھ کچل دیا جائے ۔ اگر انگلی کا زہر تمام جسم میں پھیل جانے کا اندیشہ ہو تو ہر سمجھ دار اور دور اندیش آدمی بقیہ ہاتھ کو زہر کے اثر سے بچانے کے لیے انگلی کو قربان کر دے گا ۔ البتہ اگر کسی جاہل کمزور ماں کے لاڈلے بچے میں چوری کی لت پڑ جائے تو اس میں یہ جرات نہ ہوگی کہ بچے کو سزا دے سکے اسے قطعی یہ احساس نہ ہوگا کہ اگر ابتدا ہی سے اس خطرناک رحجان کی روک تھام نہ کی گئی تو آگے چل کر اس کا لاڈلا بیٹا زبردست ڈاکو بن جائے گا اور لوگوں کو قتل کر کے پھانسی کے تختے تک پہنچ جائے گا ۔ اب ہم یہ مشرقی پاکستان کے رہ نماؤں پر چھوڑتے ہیں کہ وہ متذکرہ صدر اقسام میں سے جس میں چاہیں اپنا شمار کرائیں ۔ ابھی مشرقی بنگال کے مسلمانوں کا مذہبی جذبہ بالکل سرد نہیں ہوا ہے ۔ اس لیے رہنمایان بنگال کے لیے ابھی اس معاملے میں کوئی پیچیدگی پیدا نہیں ہوئی ہے۔ اگر اس سوال

پر کہ "اردو کو مشرق بنگال اور مغربی پاکستان کی مشترک سرکاری زبان بنایا جائے" عام رائے شماری کرائی جائے اور استصواب رائے سے پہلے مسئلے کے مالہ و ماعلیہ کی اچھی طرح وضاحت کر دی جائے تو میں یقین کے ساتھ کہہ سکتا ہوں کہ اسی فی صدی ووٹ اردو کے حق میں پڑیں گے اور اردو کے خلاف جو احتجاج کیا جا رہا ہے اس کی اصلیت بے نقاب ہو جائے گی۔ آنے والا وقت ہی طے کرے گا کہ ہماری صفوں میں ایسے افراد موجود ہیں یا نہیں جو اپنے علم و تدبر سے کام لے کر استحکام قومی کے مطالبے پر لبیک کہنے کو تیار ہوں!

ہمارا نظام تعلیم جو اس وقت صوبے میں رائج ہے نہ صرف غیر اسلامی ہے بلکہ اسلام دشمنی پر مبنی ہے اور مذہبی اعتبار سے ہی نہیں بلکہ سیاسی نقطہ نظر سے بھی اس کا وجود ہمارے لیے انتہائی خطرناک ہے یہ پہلا موقع نہیں ہے کہ میں نے اپنی قوم کو اس خطرے کی طرف متوجہ کیا ہو۔ دس سال ہوئے میں یہ امر واضح کر چکا ہوں کہ طلبہ کو اردو پڑھانے کے مناسب انتظامات کی طرف سے اسی طرح غفلت اختیار کی گئی تو ہمارے قومی مستقبل پر کیا اثر پڑے گا۔ بچپن کے زمانے ہی میں مجھے مصر و عرب شام اور ترکی وغیرہ کے سفر کا موقع ملا تھا اور اس سفر میں اسلامی تخیلات و ثقافت کے مشترک عناصر میرے ذہن پر اچھی طرح مرتسم ہو گئے تھے۔ چند سال بعد جب مجھے بنگال میں مسلمانوں کی تعلیم کا افسر خصوصی مقرر کیا گیا تو اپنے سرکاری فرائض کے سلسلے میں صوبے کے اندرونی حصوں کے دورے کا موقع ملا۔

اور ان دوروں میں مجھے معلوم ہوا کہ بنگال کے ننانوے فی صدی مسلمانوں کے خیالات کیا ہیں اور وہ کس طرح رہتے ہیں ۔ مجھے یہ دیکھ کر تعجب بلکہ صدمہ ہوا کہ میرے صوبے کے مسلمان اپنی خصوصیات کے اعتبار سے اس برعظیم کے شمالی اور مغربی حصوں کے مسلمانوں سے یکسر مختلف ہیں اور نہ آزاد اسلامی ممالک کے مسلمانوں اور بنگالی مسلمانوں کے درمیان کوئی قدر مشترک موجود ہے ۔ اگرچہ ان کے نام اسلامی ہیں مگر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ بنگالی مسلمان باقی دنیائے اسلام سے بالکل علیحدہ ہیں ۔ فطری طور پر مجھے یہ دیکھ کر سخت صدمہ ہوا کہ اس برعظیم کی مسلمان آبادی کا اتنا بڑا حصہ اسلامی نظریات ، اسلامی تخیلات ، اسلامی مزاج اور اسلامی ثقافت سے اس درجہ دور ہے کہ وہ اپنے ہم مذہبوں کی تقویت کا سبب بننے کے بجائے ان کی کمزوری بن کر رہ گیا ہے ۔ بنگالی مسلمانوں کی یہ بے رنگی برعظیم ہند و پاکستان کے مسلمانوں کے لئے ایک خطرہ تھی ۔ چنانچہ میں اس بے رنگی کے اسباب تلاش کرنے میں منہمک ہو گیا اور مجھے پتہ چلا کہ اس کا سب سے بڑا سبب یہ ہے کہ بنگالی ایک بھی اسلامی زبان نہیں جانتے ۔ ان کی ابتدائی اور وسطانی تعلیم بنگالی زبان کے ذریعے ہوتی ہے اور فوقانی تعلیم انگریزی کے ذریعے —— اور یہ دونوں زبانیں غیر اسلامی ہیں ۔ چنانچہ میں نے بنگال میں اردو کی ضرورت پر ایک سرکاری نوٹ لکھا جس میں اس امر پر زور دیا کہ اسکولوں کالجوں اور مدرسوں میں مسلمان لڑکوں اور لڑکیوں کو اردو پڑھانے کا معقول بندوبست کیا جائے اس خیال سے کہ ہمیں اردو پڑھانے کے لئے مطلوبہ لیاقت اور استعداد کے

اساتذہ مل سکیں میں نے سفارش کی کہ اردو کے ڈپلوما امتحان کا ایک بورڈ قائم کیا جائے - محکمہٗ تعلیم نے اس نوٹ کو چھپوا کر اظہار رائے کے لئے انسپکٹران مدارس میں گشت کرایا غالباً سنہ ۱۹۱۲ء میں ایک خاص کمیٹی اس صوبے کے مسلمانوں کی تعلیمی ترق کے ذرائع اور وسائل پر غور کرنے اور اپنی سفارشات پیش کرنے کے لئے مقرر کی گئی تھی - چنانچہ یہ مسئلہ بھی کمیٹی کے سامنے پیش ہوا - اس کمیٹی نے میری سفارش کو قبول کر لیا مگر اس زمانے میں پہلی جنگ عظم اپنے شباب پر تھی اس لئے بد قسمتی سے اس کمیٹی کے فیصلے پر عمل در آمد نہ ہو سکا - اور تجویز کو خاتمہٗ جنگ تک کے لئے ملتوی کر دیا گیا - اس کے فوراً بعد میں محکمہٗ تعلیم سے علحدہ ہو گیا - اور کئی سال تک اس معاملے پر کسی نے توجہ نہ کی - آخرکار میں نے سر عبدالرحیم کو جو اس زمانے میں وزیر تعلیم تھے اس طرف توجہ دلائی - وزیر تعلم نے فوراً وہ فائل طلب کیا اور اس تجویز پر عمل کئے جانے کا حکم دے دیا - چنانچہ حکومت نے اردو کے ڈپلوما امتحان کا ایک بورڈ قائم کر دیا اور یہ بورڈ ۱۴ اگست سنہ ۱۹۴۷ع تک، جب تک کہ مشرق بنگال مغربی بنگال سے الگ ہو کر نئی اسلامی مملکت پاکستان کا جزو بنا، برابر قائم رہا اور جہاں تک میرا خیال ہے اب بھی قائم ہوگا -

میں نے اس مضمون کے آخر میں چند ضروری کاغذات کی نقل شامل کر دی ہے ان کا مطالعہ ان لوگوں کے لئے مفید ثابت ہوگا جنھیں اس امر کی ضرورت اور اہمیت کا احساس ہے کہ بنگالی مسلمان اردو کی تعلیم حاصل کریں - ان کاغذات کے مطالعے

سے یہ بات بھی واضح ہو جائے گی کہ اب تک بنگال میں اردو کی
تعلیم خاطر خواہ ترقی کیوں نہ کر سکی ۔

آخر میں مجھے اسلام کے نوجوان فرزندوں سے یہ کہنا ہے
کہ اے نوجوانو! اسلام کے دور اول کی تاریخ بغور پڑھو اور
دیکھو کہ مسلمانوں نے کس طرح ایک نیک مقصد کے لئے
عدیم المثال قربانیاں دی ہیں ۔ انہوں نے جس نظم و ضبط کا مظاہرہ
کیا تاریخ عالم اس کی نظیر پیش کرنے سے قاصر ہے ۔ انہی
صفات کی بدولت وہ عظمت کی انتہائی چوٹیوں تک پہنچے ۔ خدا را
اپنی جرات اور دور بینی کو معمولی معمولی مفادات کی بھینٹ نہ
چڑھاؤ ۔ تمہارا فکر و عمل خدا کے احکام اور اس کے پیغمبر
علیہ السلام کی سنت کے مطابق ہونا چاہئے ۔ تمہارا روحانی علو
اور مادی خوش حالی تو ان اعمال صالح کا لازمی نتیجہ ہوگا ۔
اگر تم نے اپنے نفس کے احکام پر عمل کیا تو اس نصب العین
کا حصول مشکل بلکہ ناممکن ہوگا ۔

اسی طرح اپنے رہنماؤں سے میری گذارش ہے کہ حقائق
پر نظر رکھئے ۔ علم کے بغیر تدبر اور بصیرت کا حصول نا ممکن
ہے ۔ اس کے بغیر خود غرضی اور نفسانیت کا تدارک نہیں کیا
جا سکتا ۔

جب عوام میں تباہ کن رحجانات پیدا ہو جائیں اور وہ آگ
میں ہاتھ ڈالنے پر مصر ہوں تو اس وقت اپنی ہر دل عزیزی کو
خطرے میں ڈال کر اس طوفان کا مقابلہ کرنے کے لئے جرات رندانہ
درکار ہوتی ہے ۔ آپ اس امر کے مدعی ہیں کہ آپ سب کچھ
جانتے ہیں لیکن اگر آپ کا حال یہ ہو کہ کشتی اسلامی زبان

(عربی ، ترکی ، فارسی یا اردو) میں دو جملے بھی صحیح نہ لکھ سکتے ہوں تو آپ کو "عالم" کیسے تسلیم کیا جا سکتا ہے ؟ اور آپ کو مدبر کس طرح مانا جا سکتا ہے ؟ جب آپ "کسی نہ کسی اسلامی زبان کی واقفیت" کی اہمیت سے بے خبر ہیں ؟

اس مضمون کو ختم کرتے ہوئے میں چند جملے اپنے قائد اعظم (۱) سے مخاطب ہو کر کہوں گا ۔ " قوم کے محبوب رہنما : ہمیں غیر ملکی غلامی سے آزاد کرانے کے لیے آپ نے ایک طویل عرصے تک جو جد و جہد کی ہے اور اس سلسلے میں جو غیر معمولی بار خندہ پیشانی کے ساتھ برداشت کیا ہے اس کے بعد آپ کے بوجھ میں مزید اضافہ کرنا یقیناً ظلم ہوگا ۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ اب آپ کو آرام کی ضرورت ہے ۔ آپ نے زندگی بھر کی محنت کے بعد قوم کے لیے جو آزادی حاصل کی ہے مجھے اندیشہ ہے کہ کہیں اپنی نا اہلی سے ہم اسے کھو نہ بیٹھیں ۔ اس لیے میری دعا ہے کہ خدا وہ دن نہ لائے ، اور جب آپ اس دنیا سے رخصت ہوں (کیوں کہ ہر جان دار کو ایک نہ ایک دن مرنا ہے) تو مسرت اور اطمینان کے ساتھ اس دنیا کو چھوڑیں ۔ آمین ثم آمین"

(۱) یہ رسالہ جس کا ترجمہ قسط وار " قومی زبان " میں شائع کیا جارہا ہے سنہ ۱۹۴۸ع میں شائع ہوا تھا ۔ اور اس وقت قائد اعظم رحمۃاللہ علیہ بقید حیات تھے ۔ ہم نے ترجمے کے وقت اس میں کسی قسم کی تبدیلی نہیں کی ہے تا کہ قائداعظم کے جا نشینوں کو معلوم ہو سکے کہ مصنف نے چار سال پہلے جن خطروں کی طرف اشارہ کیا تھا وہ رفتہ رفتہ حقیقت بنتے جا رہے ہیں ۔ (مدیر)

مجھے ان لوگوں سے کچھ نہیں کہنا ہے جو محض اتفاق سے مسلمان گھرانے میں پیدا ہو گئے ہیں اور جن کا اسلام صرف اسی اتفاقی حادثے کا نتیجہ ہے کیوں کہ انہیں اسلام سے بہ جز اس کے کوئی ربط و تعلق نہیں کہ ان کے نام مسلمانوں جیسے ہیں۔ اسلام کے ساتھ ان کی موت زیست، خوش حالی یا تباہی وابستہ نہیں ہے اس لئے حکومت مسلمانوں کی رہے یا کفار کی، اس سے ان کی زندگی میں کوئی فرق پیدا نہیں ہوتا، کیوں کہ نہ وہ مسلمانوں کی طرح سوچتے ہیں اور نہ عمل کرتے ہیں۔ ایسے حضرات کے لئے اس جہان کے خالق نے فرمایا ہے "وہ بہرے، گونگے اور اندھے ہیں اس لئے وہ (اس راہ پر) واپس نہ آسکیں گے"
(القرآن ۲ : ۸)

ضمیمہ الف

۳۴ سرکس ایونیو
کلکتہ - ۲ دسمبر سنہ ۱۹۴۳ء

عزت مآب جناب نیمزالدین خان

مجھے آپ کے پارلیمانی سکریٹری سے یہ معلوم ہو کر از حد مسرت ہوئی کہ آپ بنگال میں اردو کی تعلیم کی ترقی کے مسئلے میں بطور خاص دل چسپی لیتے ہیں۔ آپ کو اپنے سکریٹری سے معلوم ہو چکا ہوگا کہ بنگال میں کل ہند انجمن ترقی اردو کی ایک شاخ سر ایف، رحمان کی صدارت میں قائم کی جارہی ہے۔ ہم سب کا یہ خیال ہے کہ اگر آپ کی ہم دردی اور امداد شامل حال ہو تو اس انجمن کو بڑی کام یابی ہو سکتی ہے۔ اس سلسلے میں مجھے آپ کے سامنے چند باتیں پیش کرنی ہیں

کیوں کہ میں سمجھتا ہوں کہ بنگال میں اردو کو مقبول بنانے اور اس کی مناسب تعلیم کے لئے ایک ترقی پذیر منصوبہ تیار کرنے کے لئے ان امور کا ذہن میں رکھنا بہت ضروری ہے۔

اگر میرا حافظہ غلطی نہیں کر رہا ہے تو تقریباً تیس سال گزرے سر آرک ڈیل ارلی نے ایک تجویز تیار کی تھی جس کے بہ موجب بنگال میں مکاتب و مدارس کا قیام عمل میں آیا تھا اس سے معلوم ہوتا ہے کہ مسلمانان بنگال کی گزشتہ نسل کو اپنے بچوں کو اردو، پڑھانے کا کس درجہ خیال تھا ۔ لیکن محکمہ تعلیم کو یہ غلط فہمی ہوئی کہ اسکولوں اور مدرسوں میں فارسی اور عربی پڑھانے کے لئے جو مولوی مقرر کئے گئے ہیں وہ اردو پڑھانے کی صلاحیت بھی رکھتے ہیں غالباً اسی لئے اردو کی تعلیم کے لئے موزوں اساتذہ بہم نہ پہنچائے جا سکے اور طلبہ اردو کی تعلیم حاصل نہ کر سکے چنانچہ یہ تجویز ناکام ہو گئی۔

اب جو موجودہ نسل میں اردو سیکھنے کی طرف سے بے رغبتی بلکہ مخالفت پائی جاتی ہے یہ صرف گزشتہ ناکامی کا رد عمل ہے۔ بد قسمتی سے مسلمانان بنگال کے ذہن میں یہ غلط خیال جاگزیں ہو گیا ہے کہ اردو کی مکمل زبان دانی تو درکنار بنگالی مسلمانوں کے لئے یہ بھی نا ممکن ہے کہ وہ صحیح اردو لکھ یا بول سکیں وہ سمجھتے ہیں کہ صحیح اردو بولنے اور لکھنے پر قدرت وہی شخص حاصل کر سکتا ہے جو یو، پی میں پیدا ہوا ہو یا جس نے وہاں پرورش پائی ہو ۔ اگر میں یہ کہوں تو بے جا نہ ہوگا کہ یہ مہمل خیال محض احساس کمتری کا نتیجہ ہے ۔ گو بنگالیوں میں اتنی جرات نہیں کہ اپنی اس کمزوری کا اعتراف

کرلیں ۔ ہو سکتا ہے کہ انہیں خود خبر نہ ہو کہ وہ احساس کمتری کا شکار ہیں ۔ مگر بنگالیوں کے با اثر حضرات اس کمزوری کو چھپانے کے لئے اس قسم کی غیر منطقی دلیلوں کا سہارا لیتے ہیں کہ اردو ہماری مادری زبان بنگالی کو ختم کر کے اس کی جگہ لینی چاہتی ہے ، یا یہ کہ اگر بنگالیوں میں اردو کی اشاعت ضروری سمجھی جاتی ہے تو اسے آسان بنانا چاہئے یا یہ کہ اگر کوئی شخص عربی فارسی سے واقف ہے تو اس کے لئے اردو کے ذریعے مذہبی تعلیم حاصل کرنا ضروری نہیں ہے وغیرہ وغیرہ ۔ ان لوگوں کو اس کا قطعی احساس نہیں کہ :-

(الف) جس طرح عربی ، فارسی یا انگریزی پڑھنے سے بنگالی زبان کی نفی لازم نہیں آتی بالکل اسی طرح اردو پڑھنے سے بھی بنگالی کے مقابلے کا سوال پیدا نہیں ہوتا ۔

(ب) ہمارے اسکولوں اور مدرسوں میں عربی اور فارسی کی جو تعلیم دی جاتی ہے وہ بہت ناقص ہوتی ہے اور اس معیار کی عربی یا فارسی پڑھ کر کوئی طالب علم ان زبانوں میں کتب تفسیر و حدیث و فقہ وغیرہ کا مطالعہ نہیں کر سکتا اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ ہمارے بچے صرف انگریزی اور بنگالی پر پوری قدرت حاصل کر پاتے ہیں اور مذہبی نقطہ نظر سے انگریزی یا بنگالی کی تعلیم بے فائدہ رہتی ہے ۔

(ج) اگرچہ یہ فرض علما کا ہے کہ وہ اسلامی علوم کا گہرا مطالعہ کریں ۔ لیکن ہر مسلمان پر لازم ہے کہ وہ بہ شرط استطاعت اتنی تعلیم حاصل کرے کہ قرآن اور حدیث کو سمجھ

سکے ۔ کسی مسلمان کو اس وقت تک صحیح معنوں میں پڑھا لکھا تسلیم نہیں کیا جا سکتا جب تک کہ وہ متذکرۂ بالا معیار پر پورا نہ اترتا ہو ۔

(د) اس برعظیم میں بنگال کے بعد مسلمانوں کی عددی اکثریت پنجاب کے صوبے میں ہے اور اگر چہ اس صوبے کی مادری زبان اردو نہیں پنجابی ہے لیکن پنجاب کی خاک سے اردو کے بہت سے مایۂ ناز مصنف اور شاعر اٹھے ۔

پنجاب میں چھپنے والے اخبارات اور رسائل کی تعداد کا مقابلہ ہند اور پاکستان کا کوئی دوسرا صوبہ نہیں کر سکتا ۔

(ہ) یہاں جو لوگ ببانگ دہل یہ کہہ رہے ہیں کہ بنگال کی مسلمان آبادی اردو سیکھنے کی صلاحیت سے عاری ہے وہ ہندوستان اور باقی دنیا کے سامنے عظیم بنگالی قوم کو رسوا کر رہے ہیں، کیوں کہ اس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ مسلمانان پنجاب نے جو کام کر دکھایا ہے مسلمانان بنگال آسے انجام دینے سے قاصر ہیں ۔

(و) کم سے کم ہم سے تو ہمارے ہندو برادران وطن ہی نے زیادہ بالغ نظری اور سیاسی تدبر کا ثبوت دیا ہے کیوں کہ جوں ہی کانگریس وزارتیں برسر اقتدار آئیں انہوں نے ایک لمحہ بھی ضائع کئے بغیر ایسے اقدامات کئے جن کا مقصود تمام ہندوؤں کو ہندی پڑھنے پر مجبور کرنا تھا کیوں کہ وہ سمجھتے تھے کہ ہندوستان بھر کے ہندوؤں کو اتحاد و اتفاق کے ایک رشتے میں منسلک کرنے کے لئے ضروری ہے کہ انہیں ہندی پڑھائی جائے اگر میرا حافظہ غلطی نہیں کر رہا ہے تو مسٹر سی راج گوپال اچاریہ

نے (جب وہ مدراس کے وزیر اعظم تھے) ان لوگوں کو جو ھندی کے مخالف تھے جیل خانے بھیجنے سے بھی گریز نہ کیا ۔ دز آں حالیکہ ھندی مذھبی نقطہ نظر سے ھندوؤں کے لئے کوئی اھمیت نہیں رکھتی ۔

(ز) اس حقیقت کے پیش نظر کہ اردو اس برعظیم میں بولی جانے والی زبان ھے ، عربی اور فارسی کی نسبت اس کے بولنے اور لکھنے پر قدرت حاصل کرنا اھل بنگال کے لئے آسان ھوگا ۔ علاوہ ازیں مذھبی ، ثقافتی اور سیاسی نقطہ ھائے نظر سے اردو کی تعلیم بنگال کے لئے دور رس نتائج کی حامل ھوگی ۔

(ح) تجربہ شاھد ھے کہ عربی فارسی کا سیکھنا ان طلبہ کے لئے سہل ھوتا ھے جو اردو جانتے ھیں ۔ اردو نہ جاننے والے طالب علموں کے مقابلے میں اردو جاننے والے طلبہ ان زبانوں کے کہیں زیادہ اچھے عالم ثابت ھوئے ھیں ۔

(ط) مسلمانان بنگال اردو کی مخالفت کر کے غیر مسلموں کی اس مہم کو تقویت پہنچا رھے ھیں جو انہوں نے ثقافتی فتح حاصل کرنے کے لئے ایک مدت سے شروع کر رکھی ھے ۔ اگر مسلمانوں نے غیر مسلموں کی اس یلغار کو روکنے کے لئے موثر کاروائی نہ کی تو بنگالی مسلمانوں کی آئندہ نسلوں اور بقیہ مسلمانان عالم کے درمیان نام کے علاوہ کوئی شئے مشترک باقی نہ رہ سکے گی ۔

(ی) اردو زبان و ادب کے ذریعہ اگر بنگال کے مسلمانوں میں اسلامی نظریات و ثقافت کے اثر و نفوذ کی کوشش کی گئی تو یہ نہ صرف ان کی قوت کا سبب ھوگا بلکہ وہ اس برعظیم کے

مسلمانوں کے مشترکہ پلیٹ فارم پر کھڑا ہونے کے قابل بن جائیں گے ۔ اور بنگال کے مسلمان اپنی عددی اکثریت کی بہ دولت عام مسلمانوں کے تصورات و ثقافت کے قائد اور مسلمانان ہند کے سیاسی رہنما بن جائیں گے ۔

(ک) اس حقیقت سے آنکھیں بند نہیں کی جا سکتیں کہ بنگالی مسلمانوں میں عام طور پر کارکردگی اور وسیع النظری کا وہ معیار نہیں پایا جاتا جو ان کے پنجابی اور یو ، پی والے ہم مذہبوں میں ملتا ہے ۔ اس کا سبب یہ ہے کہ یو پی اور پنجاب کے مسلمانوں پر اردو زبان و ادب کے وسیلے سے اب اسلامی تصورات کا رنگ اچھی طرح چڑھ گیا ہے اور ہمارے بنگالی بھائی اردو سے ناواقفیت کی بنا پر اس سے محروم ہیں ۔

میں اپنے مسلمان ہم وطنوں کو آگاہ کر دینا اپنا فرض سمجھتا ہوں کہ وقت آگیا ہے کہ بنگال میں اردو کی تعلیم کے مسئلے پر بلا تاخیر مزید سنجیدگی کے ساتھ غور کیا جائے ورنہ اسلامی نقطہ نظر سے بنگال کی ساری مسلمان آبادی رفتہ رفتہ اپنی قومی خصوصیات کھو بیٹھے گی اور ہماری آئندہ نسلیں ابدالاباد تک ہماری ناعاقبت اندیشی اور حماقت کی شکوہ سنج رہیں گی ۔

اس سلسلے میں میری رائے ہے کہ آپ سرکاری کاغذات طلب فرما کر میرے تحریر کردہ اس نوٹ کو ملاحظہ فرمائیں ۔ (یہ نوٹ مطبوعہ ہے) جو میں نے تقریباً بیس سال پہلے اسلامی تعلیمات کے افسر خصوصی کی حیثیت سے ” بنگال میں اردو کی تعلیم “ کے مسئلے پر تحریر کیا تھا ۔ اس نوٹ کی سفارشات کے مطابق صوبے میں اردو

کے ڈپلوما امتحانات کا ایک بورڈ بھی قائم ہوا تھا ۔ اگر آپ ضمناً اس بورڈ کی تجویز بھی ملاحظہ فرما لیں تو بہتر ہوگا ۔ اس تجویز کے مطابق اردو کے ڈپلوما امتحان کا طریقہ رائج کیا گیا تھا اور یہ طریقہ آج تک رائج ہے مگر بدقسمتی سے آج تک اس امتحان میں کام یابی حاصل کرنے کی ترغیب دلانے کے لیے کوئی عملی کار روائی نہیں کی گئی ۔ جو لوگ اردو پڑھتے ہیں اور اس امتحان میں کام یابی حاصل کرتے ہیں ، ان کو میرے علم کے مطابق کوئی مطبوعہ سند بھی نہیں دی جاتی ۔ مجھ سے اس سلسلے میں جو کچھ ہوسکتا تھا وہ میں نے کیا اب یہ حکومت کے محکمۂ تعلیم کا کام ہے کہ وہ اس منظور شدہ تجویز پر مناسب طور سے عمل کرکے کام کو آگے بڑھائے ۔ یہ تجویز، جیسا کہ اوپر بیان کیا جا چکا ہے، مدارس کے علاقہ جاتی انسپکٹروں میں گشت کے لیے بھیجی گئی تھی اور حکومت نے ان کے مشورے پر اسے منظور کر لیا تھا ۔

میرے عزیز و محترم وزیر!

آپ محکمہ تعلیم کے سربراہ ہیں اگر آپ کے دور وزارت میں اس اہم تعلیمی منصوبے پر جو مسلمانان بنگال کے لیے دور رس نتائج کا حامل ہے عمل ہوجائے اور آپ صوبے میں اردو کی تعلیم کا موثر اور جامع منصوبہ تیار کر کے اس پر عمل کرنے میں کام یاب ہو جائیں تو نہ صرف تعلیمی بلکہ مذہبی نقطہ نظر سے بھی یہ آپ کا عظیم الشان کارنامہ ہوگا ۔ میں سمجھتا ہوں کہ آپ کو میرے اس خیال سے کلی اتفاق ہوگا کہ مسلمانوں کی سیاسی ترقی کا ان کی مذہبی اور ثقافتی ترقی سے گہرا تعلق ہے ،

پاکستان تو حاصل ہوگیا ۔ لیکن اگر وہ مسلمان جو اس کے مختلف صوبوں میں رہتے ہیں اس اثنا میں اپنے آپ کو ذہنی اور عملی طور سے مسلمان کہلانے کا مستحق نہیں بنانے تو کیا یہ ملک ترقی کر سکتا ہے اور اس کا نشان صفحہ دنیا پر باقی رہ جائے گا؟ پاکستان کے مسلمانوں کا مسلمانوں کی طرح سوچنا اور عمل کرنا اس شکل میں ممکن ہے کہ ہمارے بچے اسلام کے صحیح معنوں اور نبی کریم کی تعلیمات سے واقف ہوں ۔ اگر وہ اسلام کے مروجہ ناقص تصور ہی میں الجھے رہے تو مستقبل کے لیے کوئی امید نہیں ہو سکتی ۔

آخر میں میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ میری ناچیز خدمات آپ کے لیے ہر وقت حاضر ہیں ۔ اگر کسی معاملے میں آپ کو میرے مشورے یامدد کی ضرورت ہو تو میں بسرو چشم حاضر ہوں ۔

خدا بنگال کے پرجوش نوجوان مسلمانوں کا بھلا کرے جنہیں موقع کی نزاکت کا احساس ہے اور جو اسی احساس کے تحت اردو کی ترویج کے لیے مصروف عمل ہیں ۔ میری دعا ہے کہ خدا آپ کی مدد اور رہنمائی کرے تاکہ آپ صوبہ بنگال کے مسلمانوں کو اس فضا سے نکال سکیں جو ایک غلط اور ناقص نظام تعلیم کی پیدا کردہ ہے ۔ اور جس کے مسموم اثرات سے ہماری نئی نسل کی ذہنیت ، کردار اور نقطۂ نظر روز بروز مسخ ہوتے جارہے ہیں ۔

آپ کا مخلص

بدرالدین احمد

وزیر تعلیم کا جواب

۱۳ دل کشا اسٹریٹ کلکتہ وزیر حکومت بنگال

۱۱ دسمبر ۱۹۴۳ء

عزیز خان بہادر صاحب

اپنے خط مرسلہ ۲ ماہ رواں کے لیے دلی شکریہ قبول فرمائیے آپ نے اپنے خط میں جن خیالات کا اظہار فرمایا ہے وہی خیالات میرے بھی ہیں ۔ اگر اس معاملے میں ہمارے سابق رہنماؤں نے بینش بینی سے کام لیا ہوتا تو اردو کے سلسلے میں ہماری پوزیشن بھی وہی ہوتی جو پنجاب کی ہے ۔ اب حالات پیچیدہ ہوگئے ہیں لیکن ناقابل اصلاح نہیں ۔ موجودہ وقت اس کے لیے خاص طور سے موزوں ہے کیوں کہ تحریک پاکستان ہندوستان پر ایک مشترک زبان کی ـــ جو اردو کے علاوہ کوئی اور زبان نہیں ہوسکتی ـــ ضرورت واضح کردی ہے ۔ آپ نے اپنے تعاون کی جو پیش کش فرمائی میں اس کے لیے شکرگذار ہوں اور امید کرتا ہوں کہ آئندہ آپ کی خدمات سے فائدہ اٹھا سکوں گا ۔ آپ کا مخلص

نمیزالدین احمد خان

ضمیمہ (ب)

مکتوب من جانب خان بہادر بدرالدین احمد بی ، اے سکریٹری بورڈ امتحان اردو صوبہ بنگال ۔ بہ خدمت اقدس جناب ڈایرکٹر صاحب پبلک انسٹرکشن نمبر ۴۳ سرکس ایونیو کلکتہ ۔ تاریخ ۲۰ ستمبر سنہ ۱۹۴۶ء ۔

جناب والا !

مجھے ہدایت کی گئی ہے کہ میں آپ سے اردو ڈپلوما کے

امتحانات کے موجودہ ضوابط پر نظر ثانی کے معاملے میں مراسات کروں ۔ اس سلسلے میں مجھے یہ گزارش کرنی ھے کہ اردو کے ڈپلوما امتحان کے بورڈ کی رائے میں یہ ضروری ھے کہ اس صوبے میں جہاں ھندوستان کے ھر صوبے سے زیادہ مسلمان آباد ھیں اس امتحان کو زیادہ مقبول بنانے کے لئے موثر اقدامات عمل میں لائے جائیں تاکہ اعلا معیار کے اردو پڑھانے والے اساتذہ پیدا کئے جا سکیں ۔ بنگال میں اردو کی تعلیم کی ضرورت اور اھمیت اس نوٹ میں صراحت کے ساتھ بیان کی جا چکی ھے جو سنہ ۱۹۱۶ع میں تعلیمات اسلامی کے اسسٹنٹ انسپکٹر آف اسکولز پریسیڈنسی ڈویژن نے تیار کرکے بغرض ملاحظہ پیش کیا تھا ۔ اسی نوٹ کی بنیاد پر بعد میں حکومت نے اردو کے ڈپلوما امتحان کا ایک بورڈ قائم کیا تھا ۔ بورڈ کا خیال ھے کہ اگرچہ کئی سال سے اس منصوبے پر عمل ھو رہا ھے لیکن امتحان کا انعقاد باقاعدگی کے ساتھ نہیں ھوسکا ھے ۔ اور صوبے میں اردو کی تعلیم نے کوئی قابل ذکر ترقی نہیں کی ھے درآں حالیکہ اس بورڈ کی تشکیل کا مقصد ھی یہ تھا کہ اردو کی تعلیم ترقی کرے ۔ صوبے کے بیشتر اسکولوں اور مدرسوں کو اعلا معیار اور صلاحیتوں کے حامل اردو کے اساتذہ بہ مشکل ھی ملتے ھیں ۔ اس صورت حال کے افسوس ناک نتائج کی ایک بین مثال کلکتہ میں دیکھنے میں آتی ھے ۔ کلکتے کی آبادی میں ایسے افراد جو گھروں پر اردو بولتے ھیں بہت کافی ھے ۔ کلکتہ کارپوریشن نے شہر میں لازمی ابتدائی تعلیم کا طریقہ جاری کیا ھے مگر ان اصحاب کے بچے مفت ابتدائی تعلیم کی نعمتوں سے بہرہ ور نہ ھوسکے جن کی مادری زبان اردو ھے مسلمان

بنگالی اساتذہ جن میں وہ مولوی بھی شامل ہیں جنھوں نے باقاعدہ مدرسوں میں تعلیم حاصل کی ہے ان ابتدائی مدارس میں ملازم رکھے گئے ۔ مگر یہ لوگ ان بچوں کے لیے کشش کا باعث نہ بن سکے جن کی مادری زبان اردو ہے اور اس کی وجہ یہ تھی کہ یہ اساتذہ اردو پڑھانے کی مطلوبہ اہلیت سے محروم تھے ۔ اس سے ایک طرف تو شہر کے ان ٹیکس دہندگان کے ساتھ صریح ناانصافی ہوتی ہے جو اردو بولتے ہیں دوسری طرف اس قسم کی رکاوٹوں سے مسلمانوں کی تعلیمی ترقی پر برا اثر پڑتا ہے ۔ یہی کیفیت بعض دوسرے مقامات مثلاً ڈھاکہ ، مرشد آباد ، مدناپور وغیرہ کی ہے جہاں اُن مسلمان بچوں کی تعلیم میں دقت پیش آتی ہے جن کی مادری زبان اردو ہے ۔ اس مرحلے پر میں اس تفصیل میں پڑنا ضروری نہیں سمجھتا کہ اگر صوبے کے نظام تعلیم میں اردو کی تعلیم کا مناسب انتظام نہیں کیا گیا تو مسلمانوں کو اس سے کس قسم کے نقصانات ہوں گے ۔

بورڈ کی رائے ہے کہ فی الوقت اس منصوبے میں بعض خامیاں ہیں اس لیے ضروری ہے کہ ان خامیوں کو فوراً رفع کیا جائے تاکہ منصوبہ اپنے نتائج کے اعتبار سے اور زیادہ موثر ہو جائے ۔ اول تو یہ ظاہر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ سرکاری مدارس ، امدادی اسکولوں اور مدرسوں میں جن مولویوں کو ملازم رکھا گیا ہے وہ اُردو ڈپلوما کے امتحان میں بیٹھنے کی ضرورت محسوس نہیں کرتے ، کیوں کہ وہ یہ سمجھتے ہیں کہ اُن کی مستقبل اور ترقی کا انحصار اس امتحان میں پاس ہونے پر نہیں ہے ۔ اس کے برخلاف سرکاری اسکولوں اور کالجوں میں جو اُستاد اور پروفیسر ان علاقوں کے

ھیں جنہاں کی مادری زبان بنگالی نہیں ہے اُن کو اس وقت تک مستقل نہیں کیا جاتا جب تک کہ وہ بنگالی کے محکمہ جاتی امتحان میں کام یاب نہ ہو جائیں ۔ دوسرے اس وقت اردو ڈپلوما امتحان کا دائرہ انہی افراد تک محدود ہے جو پہلے سے مدرسوں اور اسکولوں میں مولوی کی حیثیت سے ملازم ہیں ۔ چنانچہ نئے تقررات کے وقت موزوں امیدوار دستیاب ہونا دشوار بن گیا ہے ۔ تیسرے ان امیدواروں کو جو اس امتحان میں کام یاب ہو جاتے ہیں کوئی سند نہیں دی جاتی ہے ۔ اگر انہیں سند کام یابی دے دی جائے تو وہ اسے دکھا کر اس صوبے یا کسی دوسرے صوبے کے تعلیمی اداروں میں بہتر ملازمت حاصل کر سکتے ہیں ۔ چوتھے یہ کہ امتحان کے سلسلے میں جو کتابیں داخل نصاب ہیں وہ اب بازار سے باآسانی دستیاب نہیں ہوتیں ۔

دریں حالات بورڈ حسب ذیل سفارسات پیش کرنا چاہتا ہے ۔

(۱) ان مولوی صاحبان کے لئے جو پہلے سے اسکولوں یا مدرسوں میں ملازم ہیں اردو ڈپلوما امتحان کے رائج الوقت ضابطوں پر نظر ثانی کی جائے ۔ بورڈ نے نئے قواعد و ضوابط کا جو مسودہ تیار کیا ہے وہ محوبر ھذا کے ساتھ منسلک ہے ۔

(۲) اسکولوں اور مدارس میں فارسی اور عربی کے اساتذہ کے تقرر کے وقت ان امیدواروں کو ترجیح دی جائے جن کے پاس اردو کا بھی ڈپلوما ہو ۔

(۳) جن مولویوں کے پاس اردو کا ڈپلوما نہ ہو انہیں اردو پڑھانے کا اہل تسلیم نہ کیا جائے ۔ اردو کے ایم ، اے یا بی، اے (آنرز) پاس شدہ اصحاب اس قاعدے سے مستثنیٰ ہوں گے ۔

(۴) سرکاری اسکولوں اور مدارس میں جو مولوی پہلے سے عربی اور فارسی پڑھانے کے لئے ملازم ہیں انہیں اس وقت تک مستقل نہ کیا جائے جب تک کہ وہ اردو کے ڈپلوما امتحان میں کامیاب نہ ہو جائیں اور جو مولوی پہلے ہی مستقل ہو چکے ہیں انہیں اس وقت تک مزید سالانہ ترقیات کا استحقاق نہ دیا جائے جب تک کہ مذکورہ امتحان میں پاس نہ ہو جائیں ۔ یہ اس لئے بھی ضروری ہے کہ انہیں اردو کی جماعتیں پڑھانے کی مطلوبہ لیاقت حاصل کرنے پر اسی طرح مجبور کیا جا سکتا ہے ۔

بورڈ بطور خاص یہ سفارش کرنا چاہتا ہے کہ آئندہ چند سال تک ان مولویوں کو جو سرکاری اسکولوں یا مدرسوں میں ملازم ہیں پہلی یا اگلی سالانہ ترقی آردو کا ڈپلوما پاس کرتے ہی دے دی جایا کرے

میں یہ گوش گزار کر دینا چاہتا ہوں کہ مندرجہ بالا سفارسات کو منظور کرنے اور ان پر عمل در آمد کرنے سے نہ صرف یہ ہوگا کہ صوبے کے تعلیمی اداروں میں آردو کی معقول تعلیم کی ضروری سہولتیں بہم پہنچ جائیں گی بلکہ آگے چل کر تعلیمی اداروں اور حکومت کے محکمہ تعلیم کے میزانیوں میں بھی کافی بچت ہو جائے گی کیوں کہ اس تجویز پر عمل ہوا تو آئندہ عربی اور فارسی پڑھانے والے مولویوں ہی سے آردو پڑھانے کا کام لیا جا سکے گا ۔ اور اس مقصد کے لئے علیحدہ مولوی کے تقرر کی ضرورت باقی نہ رہے گی ۔

درخواست ہے کہ ضوابط امتحان کا جو مسودہ ہم رشتہ تحریر

هذا ہے اس کی منظوری کے لئے حکومت کو جلد از جلد توجہ دلائی جائے گی ۔

آپ کا تابعدار بدرالدین احمد (معتمد)

ضمیمہ (ج)

ایک سرکاری نوٹ کے اقتباسات جو سنہ ۱۹۱۶ع میں حکومت بنگال کے محکمہ تعلیمات کے لئے لکھا گیا تھا ۔)

بنگال میں اردو کی تعلیم کا مسئلہ

ایک تاریخی حقیقت—— حالات مسلمانوں کو مجبور کرتے ہیں کہ وہ بنگالی کو اپنی مادری زبان کے طور پر اختیار کریں ۔

اٹھارویں صدی کے اواخر میں اردو نے رفتہ رفتہ فارسی سے اپنے لیے جگہ خالی کرانی شروع کی اور مسلمان عام بول چال کے لیے اردو استعمال کرنے لگے ۔ اس ملک کے جو حصے براہ راست شاہی دربار کے زیر اثر تھے وہاں رفتہ رفتہ اردو نے اپنا اقتدار قائم کر لیا ۔ دربار سے نکل کر یہ زبان آہستہ آہستہ اندرون ملک میں پھیل گئی اور غالباً برعظیم کے دور افتادہ گوشوں تک پہنچ جاتی مگر دور کے صوبے مسلم حکومت کے دائرے سے نکل کر انگریزوں کے قبضے میں آگئے ۔ انگریزوں کا اقتدار اس زبان کی فطرتی توسیع میں حائل ہوا ۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ان صوبوں کے مسلمانوں کو فارسی کے زوال کے بعد اس کے علاوہ کوئی چارہ کار باقی نہ رہا کہ مقامی باشندوں کی اکثریت کی زبان اختیار کر لیں ۔ اردو جو مغلوں کی حکومت ختم ہوجانے کے بعد بھی زندہ بچ گئی تھی ملک کے صرف ان علاقوں میں پھیل سکی جہاں کسی نہ کسی

انداز میں مسلمانوں کا غلبہ تھا ۔ اول الذکر صورت کی زندہ مثال بنگال اور بمبئی کے علاقے ہیں جہاں کے مسلمان آردو کی برکتوں سے محروم ہوگئے ۔ ثانی الذکر صورت کی بین مثالیں بھوپال اور حیدرآباد کی ریاستیں ہیں ۔ (اب '' نہیں ،، کہنا چاہئے ۔ مدیر) حالات کی یہ مجبوریاں تھیں جن کے تحت مسلمانان بنگال کو بنگالی زبان اختیار کرنا پڑی ۔ حالاں کہ اس زبان کا ان کے مذہب اور روایات سے دور کا بھی واسطہ نہ تھا ۔

بعض لوگوں کا خیال ہے کہ جب بنگال کے مسلمانوں کی مادری زبان بنگالی ہے تو ان کے لئے آردو کی تعلیم پر زور دینا ضروری نہیں ہے لیکن شاید ان حضرات نے تاریخی حقیقتوں کو نظر انداز کر دیا ہے ۔ مسلمانان بنگال نے بنگالی کو کچھ اپنی مرضی سے قبول نہیں کیا تھا بلکہ یہ تو حالات کی مجبوری کا نتیجہ تھا ۔ ہمیں اس سے انکار نہیں (اور انکار سے کوئی فائدہ بھی نہیں) کہ مسلمانان بنگال کی اکثریت اگر چہ بنگالی بولتی ہے مگر وہاں کا ہر مسلمان اپنے بچوں کو آردو پڑھانا چاہتا ہے ۔

مسلمان بچوں پر بنگالی کی تعلیم کے مضر اثرات

مسلمان یہ بات اچھی طرح محسوس کر سکتے ہیں کہ بنگالی کے یک صد ساله تسلط نے ان پر کیا اثر ڈالا ہے ۔ بنگالی زبان نے مسلمانوں کے معاشرتی اخلاق و عادات میں نمایاں تبدیلی پیدا کر دی ہے ۔ اعلا طبقے کے چند افراد کو چھوڑ کر بنگال کے سارے مسلمانوں کا حال یہ ہے کہ ان کا لباس طرز فکر اور رسوم و رواج ان علاقوں کے مسلمانوں سے قطعی مختلف ہیں جہاں فارسی کی جگہ کسی غیر اسلامی زبان کے بجائے آردو نے لی تھی ۔ ابھی بنگالی

مسلمانوں کے دل میں ایمان کی روشنی موجود ہے اور اگر چہ حالات نے انہیں اپنی زبان بدلنے پر مجبور کر دیا تھا لیکن وہ آردو سیکھنے کے متمنی ہیں ۔ اگر کوئی مسلمان بچہ بچپن کے زمانے ہی سے ایک ایسی زبان میں سبق پڑھے جو اسلام دشمن روایات، مذہب اور تاریخ کی حامل ہو تو کس طرح توقع کی جا سکتی ہے کہ وہ بڑا ہو کر صحیح معنوں میں مسلمان ثابت ہو سکے گا ؟

بنگالی بنیادی طور سے ہندوؤں کی زبان ہے کیونکہ اس زبان کو سنسکرت کی ایک ساخ تصور کرنا چاہئے ۔ بنگالی کے نشوو نما میں سنسکرت کے آثار ملتے ہیں ۔ اس زبان میں شروع ہی سے ہندو روایات ہندو علم الاصنام اور ہندو فلسفہ دخیل رہے ہیں ۔ جو لوگ بچوں کی نفسیات کے ماہر ہیں ان کی رائے ہے کہ بچوں کی ذہنیت کو ایک خاص سانچے میں ڈھالنے کی سب سے بہتر صورت یہی ہے کہ ان کی قوم کی جلیل القدر ہستیوں کی مثالی سیرتیں ان کے سامنے پیش کی جائیں ۔ ان قابل فخر اشخاص کے نام اس طرح ان کی زبانوں پر چڑھ جائیں کہ یہ ان کے لیے روزمرہ کی گفتگو کا جزو بن جائیں اور یہ کام ان کی قومی زبان کے ذریعے ہی انجام دیا جا سکتا ہے کیونکہ ہر شخص اس قسم کے افکار و خیالات کو آسانی کے ساتھ اپنی قومی زبان ہی کے ذریعہ سمجھ سکتا ہے جس زبان میں انسان خود سوچ سکتا ہے اس زبان میں ذہن مسائل کی گرفت بہتر طور سے کرتا ہے لیکن بدقسمتی سے بنگالی مسلمانوں کے بچوں کا معاملہ بالکل مختلف ہے ۔ بنگالی مسلمانوں کے لڑکے بنگالی میں سوچ بھی سکتے ہیں اور سمجھ بھی لیتے ہیں لیکن چونکہ

بنگالی زبان ان کی تہذیب و ثقافت کی امانت دار نہیں ہے اس لیے اس زبان میں ان کے اسلاف کے قابل ذکر کارناموں کا ذخیرہ ناپید ہے۔ اس کے بر خلاف بنگالی میں انہیں ہندوؤں کے رسوں منیوں اور پہلوانوں کے حالات زندگی کا مطالعہ کرنا پڑتا ہے۔ یہ سب لوگ اس مذہب کی نمائندگی کرتے ہیں جو اسلام کی تعلیمات سے یکسر متضاد ہے اور ایک ایسے طرز زندگی کی تصویر ہمارے سامنے آتی ہے جو مسلمانوں کی زندگی سے قطعاً مختلف ہے۔ اس کا نتیجہ یہ ہے کہ مسلمانوں کے بچوں کے سامنے کوئی ایسا نمونہ نہیں ہوتا کہ جو ان کے اپنے تخیلات سے ہم آہنگ ہو اور وہ اس کے نقش قدم پر چلنے میں خوشی محسوس کر سکیں۔ ابتدا سے ہی مسلمان بچے کو الجھے ہوئے افکار سے سابقہ پڑتا ہے اور اس کی پوری زندگی ان افکار کے مضر مگر دور رس اثرات سے متاثر رہتی ہے بچپن میں، جو نفسیاتی نقطہ نظر سے انسانی زندگی کا سب سے زیادہ نازک اور لچک دار حصہ ہوتا ہے، ان پر ایک ایسی زبان کا غلبہ رہتا ہے جو ان کی قومی خصوصیات سے کوئی تعلق نہیں رکھتی۔ بڑے ہو کر فطری طور سے ان کو یہ باور کرنے میں دقت محسوس ہوتی ہے کہ ان کے پس ماندہ ہم مذہب جد و جہد انسانی کے مختلف میدانوں میں دوسری اقوام کے ساتھ بہ ساتھ ترقی کر سکتے ہیں۔ اس کے علاوہ وہ اور کچھ سوچ بھی نہیں سکتے کیوں کہ جیسا کہ میں اوپر عرض کر چکا ہوں بچپن کے دور میں ذہن انسانی جو تاثرات قبول کرتا ہے اس کے آثار زندگی بھر محو نہیں ہو سکتے۔ چنانچہ اپنی نصابی کتب کے مطالعے کے وقت بنگالی مسلمان طلبہ کے سامنے ایک بھی ایسے مسلمان کی

زندگی کا حال نہیں آتا جو اپنی جرات اور الوالعزمی کی مثال سے طالب علم کی سوئی ہوئی قوتوں کو بیدار کرسکے میرے اس بیان کے حق میں سب سے بڑا ثبوت یہ ھے کہ صوبہ متحدہ آگرہ و اودھ اور پنجاب کے مسلمانوں نے بہت سی عظیم ھسنیوں کو جنم دیا (گو ان شخصیتوں نے انگریزی تعلیم حاصل نہیں کی تھی) اور بنگال کی خاک نے بھی بہت سے ھندو لیڈر پیدا کئے ۔ (سرسید احمد خاں اور ودیا ساگر کی مثال ھمارے سامنے ھے) مگر بنگالی مسلمانوں کی خاکستر سے ایک بھی ایسی چنگاری نہ نکلی جو اپنی تب و تاب میں متذکرہ صدر شخصیتوں کے برابر یا ان سے بڑھ کر ٹھہرے ۔ اردو سے عدم واقفیت کی بناپر بنگال کے مسلمان بچوں کو جو دوسری تعلیمی دشواریاں پیش آتی ھیں اب میں ان کا ذکر کروں گا ۔ جب مسلمان طالب علم اونچی جماعتوں میں عربی یا فارسی کو ثانوی السنہ کی حیثیت سے اختیار کرتا ھے تو اس کے ذھن میں ایک قسم کا احساس شکست پیدا ھو جاتا ھے ۔ اگر اسی طالب علم نے ابتدائی جماعتوں میں اردو پڑھ لی ھوتی تو یہ احساس پیدا نہ ھوتا کیوں کہ یہ تینوں مسلمہ زبانیں یعنی عربی ، فارسی اور اردو یکساں خصوصیات کی حامل ھیں ۔ ان کے اسالیب فکر میں یکسانی ھے ۔ ان میں بے شمار الفاظ ، محاورے ، فقرے اور قصے کہانیاں مشترک ھیں اور اسلامی تاریخ و روایات نے ان کو یکساں طور سے متاثر کیا ھے ۔ چنانچہ ھم دیکھتے ھیں کہ اکثر مسلمان طلبہ سنسکرت لیتے ھیں جو فارسی اور عربی سے کہیں زیادہ مشکل ھے ۔ بعض اوقات عربی اور فارسی

کی تعلیم کا مناسب بندوبست نہ ہونے کی وجہ سے، بھی طلبہ کو سنسکرت لینی پڑ جاتی ہے ۔

بنگالی کا لزوم کیوں ؟

اگرچہ آردو کو نظر انداز کر کے بنگالی زبان میں تعلیم دینا مسلمان طلبہ کے لیے مضر ہے لیکن بنگال کی تعلیم کا سلسلہ بھی ختم کیا جانا ممکن نہیں ہے کیوں کہ حکومت نے اسے صوبے کی علاقائی زبان تسلیم کر لیا ہے ۔ یہ بنگالی مسلمانوں کی اکثریت کی زبان ہے اور اسی میں ملک کا جملہ کاروبار چلتا ہے ۔ اگر اسے نظر انداز کرنے کی کوشش کی گئی تو یہ کوشش کام یاب نہیں ہو سکتی ۔ کیوں کہ ایسے مسلمان خال خال ہوں گے جو اپنے بچوں کو ایسے اسکولوں میں بھیجنا پسند کریں گے جہاں علاقائی زبان نہ پڑھائی جاتی ہو کیونکہ جس نصاب تعلیم میں بنگالی داخل نہ ہو اس کی تکمیل کے بعد طالب علم معمولی خط بھی نہ پڑھ سکیں گے ۔ علاوہ ازیں اسی زبان کے ذریعہ مسلمان لڑکے اپنی زبانیں یعنی عربی فارسی اور آردو کی تعلیم حاصل کریں گے ۔ اگرچہ کلکتہ مرشد آباد اور ڈھاکہ جیسے مقامات پر آردو ہی کو ذریعہ تعلیم بنایا جا سکتا ہے مگر سارے صوبے میں اس پر عمل نہیں ہو سکتا ۔

ترقی آردو کی راہ کے سنگ ہائے گراں

مسلمانوں کی جانب سے اردو کی تعلیم کے انتظامات کا مطالعہ کیا گیا تو اس کے فوائد کے پیش نظر حکومت کچھ عرصے سے اس قسم کے انتظامات کرنے کی کوشش میں مصروف ہے ۔ اس کوشش کی ایک مثال سرآرک ڈابل ارلی کی تجویز ہے ، لیکن اگرچہ

سرآرک ڈیل کی تجویز پر کافی روپیہ صرف کیا گیا مگر میں یہ کہوں تو بے جا نہ ہوگا کہ اردو کی تعلیم ترقی کی طرف ایک قدم بھی آگے نہ بڑھ سکی ۔ اس کا سبب یہ ہے کہ سرآرک ڈیل کی تجویز میں بہت سی خامیاں تھیں ۔ پہلا نقص تو اس میں یہ تھا کہ اس تجویز میں اردو پڑھانے کے لیے موزوں عملے کی خدمات حاصل کرنے کی ضرورت محسوس نہیں کی گئی تھی ۔ چنانچہ اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ اردو کی تدریس پر ایسے افراد مامور ہیں جو دو جملے صحت کے ساتھ اس زبان میں نہیں لکھ سکتے ۔

واقعہ یہ ہے کہ اپنے دورے کے دوران میں مرشدآباد اور کلکتے کے علاوہ مجھے کہیں کوئی ایسا اردو کا استاد نہ ملا جو اردو کی ابتدائی قواعد سے بھی آشنا ہو ۔ البتہ مرشدآباد اور کلکتے میں اس خدمت پر بالائی ہند کے افراد مامور ہیں یا وہ لوگ جو ان کی نسل سے متعلق ہیں ۔ چنانچہ مثل سابق آج بھی یہ کیفیت ہے کہ کوئی تعلیم یافتہ مسلمان صحیح اردو نہیں لکھ سکتا ۔ اس کلیے سے ہمارے ” مولانا ،، اور ” شمس العلما ،، حضرات بھی مستثنیٰ نہیں ہیں ۔ یعنی وہ حضرات بھی اسی زمرے میں داخل ہیں جو عربی و فارسی سے واقف ہیں اور اردو سمجھنے یا پڑھنے کی صلاحیت رکھتے ہیں لیکن اگر ایسے اساتذہ اور ممتحنوں کا تقرر کیا جاتا جو اردو قواعد کا علم رکھتے ہوتے تو ناکامی کی صورت پیدا نہ ہوتی کیونکہ عربی اور فارسی کے علما اگر نجی طور سے اردو ادب پر عبور حاصل کرنا چاہیں تو اس کی آسان صورت یہی ہے کہ انھیں اردو قواعد میں دست گاہ بہم پہنچانی چاہئے ۔

اردو کا مطالبہ پرزور اور سچا ہے

ان کوتاہیوں اور ناقص طریقہ تعلیم کے باوجود مسلمانان بنگال بالخصوص متوسط اور اعلا طبقے کے مسلمانوں کی دلی خواہش ہے کہ اپنے بچوں کو اردو کی تعلیم دلائیں کیوں کہ اردو کے بغیر کوئی شخص اونچی سوسائٹی میں شریک ہونے کے قابل نہیں سمجھا جاتا ۔ جب کبھی مکاتب میں بھی افسران معائنہ کنندہ نے اردو کی جگہ بنگالی کی ترویج کی سفارش کی ہے تو احتجاج کیا گیا ہے ان لوگوں کا بیان ایک خاص مقام کی حد تک صحیح ہوسکتا ہے جو یہ کہتے ہیں کہ بنگال میں اردو کی تعلیم کا مطالبہ محدود ہے لیکن اس کا ایک سبب ہے جب بنگالیوں اور بالخصوص نچلے طبقے کے لوگوں کے بچے اس زبان کی تحصیل کی کوشش کرتے ہیں اور یہ دیکھتے ہیں کہ بعض ضروری مضامین کی قربانی کرنے کے بعد بھی عملاً انھیں برسوں کی محنت سے کچھ حاصل نہیں ہوتا تو وہ دل برداشتہ ہو جاتے ہیں ۔

کیا مسلمان طلبہ کے لیے اردو پڑھنا مشکل ہے ؟

تاہم یہ واقعہ ہے کہ مسلمان بچوں کے لیے اردو کا حاصل کرنا قطعاً دشوار نہیں ہے ۔ عربی سے تو یہ بلاشبہ سہل ہے اور سنسکرت کی نسبت تو اس کا سیکھ لینا بدرجہا آسان ہے میں یہاں مسلمان اور ہندو طلبہ کی مثال سامنے رکھ کر یہ واضح کرنے کی کوشش کروں گا کہ ان زبانوں میں کس زبان کا سیکھنا کس قدر آسان یا مشکل ہے ۔ ایک مسلمان اور ہندو گریجویٹ (بی ، اے) کی مثال لیجئے جس کی عمر بیس سال ہو اور مادری زبان بنگالی ہو ۔ فرض کیجئے ان طالب علموں کو انگریزی کے علاوہ کوئی دوسری زبان نہیں آتی ۔ مسلمان لڑکا

اپنی انگریزی تعلیم کے هم معیار سنسکرت آٹھ سال میں ، عربی پانچ سال میں ، فارسی چار سال میں ، بنگلی تین سال میں اور اردو چار سال میں حاصل کر لےگا ۔ اب هندو طالب علم کی ترقی کی رفتار کا اندازہ ذیل کی جدول سے لگائیے اور دونوں کا موازنہ کیجئے :-

نام زبان	مسلمان لڑکا	هندو لڑکا
سنسکرت	۸ سال	۴ سال
عربی	۵ سال	۸ سال
فارسی	۴ سال	۶ سال
بنگالی	۳ سال	۲ سال
اردو	۴ سال	۵ سال

اگرچہ وقت کے تعین میں مجھے قطعی صحت کا دعوا نہیں ہے مگر یہ مثالیں جو قریب قریب صحیح ہیں میرا مقصد اچھی طرح واضح کر دیتی ہیں ۔

موزوں عملے کی بہم رسانی

موزوں اور با صلاحیت عملے کی بہم رسانی کے لیے میں مندرجہ ذیل تین طریقے تجویز کرتا ہوں ۔

(۱) اس وقت صوبے میں جو عربی ، فارسی اور اردو کے اساتذہ پائے جاتے ہیں وہ کلکتہ ، ڈھاکہ ، هگلی اور چاٹ گام کے مرکزی مدارس کے تعلیم یافتہ ہیں ، لہذا میری رائے ہے کہ ان چاروں مدرسوں میں اعلا تعلیم یافتہ مدرسین کا تقرر ہونا چاهئے ، یعنی صرف ان لوگوں کا تقرر کیا جائے جو فورٹ ولیم کالج کلکتہ کے

بورڈ ممتحنین کے منعقد کردہ امتحان منشی میں کام یابی حاصل کر چکے ہوں یا واقعی، آردو کے اچھے عالم ہوں ۔

(۲) ایک لازمی امتحان جاری کیا جائے جس کا نام آردو ڈپلوما امتحان رکھا جا سکتا ہے اور ہر اس شخص کے لیے جو صوبے کے منظور شدہ مدرسوں اور اسکولوں میں آردو کی مدرسی کے لیے امید وار ہو، اس امتحان کا پاس کرنا لازمی قرار دے دیا جائے ۔ اوپر جن چار مرکزی مدرسوں کا ذکر کیا گیا ہے یہ امتحان ان مدارس میں سال میں دو بار منعقد کیا جائے ۔ اس امتحان کے انتظام کے لیے ایک بورڈ بنا دیا جائے جس کا صدر مسلمانوں کی تعلیم کے اسسٹنٹ ڈائرکٹر آف پبلک انسٹرکشن کو بنایا جائے ۔ اس بورڈ کے پانچ اراکین ہوں جن کا انتخاب فورٹ ولیم کے بورڈ ممتحنین کے سکریٹری صاحب آردو کے شاعروں اور علما میں سے کریں ممتحنوں کا تقرر بہت ہوشیاری کے ساتھ ہونا چاہئے یعنی صرف وہی لوگ ممتحن بنائے جائیں جو بورڈ ممتحنین کے امتحان منشی میں کام یابی حاصل کر چکے ہوں یا آردو کے مسلمہ ادیب ہوں ۔ اس سلسلے میں مجھے ان غلط فہمیوں کی طرف اشارہ کرنا ہے جو بنگال میں پھیلی ہوئی ہیں ۔ پہلی غلط فہمی تو یہ ہے کہ فارسی اور عربی کا ہر طالب علم لازماً آردو کا بھی علم رکھتا ہے ۔ یہ خیال بالکل بے بنیاد ہے ۔ پنجاب اور یو پی کے بارے میں اگر یہ کہا جائے تو صحیح ہوگا کیونکہ آردو وہاں کے مسلمانوں کی زبان ہے اور اس کی تعلیم پر انھیں زیادہ زور دینا نہیں پڑتا لیکن بنگال کا حال مختلف ہے یہاں کسی شخص کو جب تک کہ وہ به طور خاص آردو کی تعلیم حاصل نہ کرے آردو کا عالم

نہیں سمجھنا چاہئے ۔ اسی طرح دوسری غلط فہمی یہ ہے کہ جو طلبہ اپنی تعلیم کی تکمیل کے لئے یو پی وغیرہ جاتے ہیں لازماً اُردو کے ماہر ہو کر واپس آتے ہیں ۔ یہ خیال بھی قطعی غلط ہے ۔ بنگال کے جو مسلمان طالب علم شمالی ہند کے مدارس میں تعلیم حاصل کرنے کی غرض سے جاتے ہیں اُن کا مقصد علوم دینیہ مثلاً حدیث و فقہ کی تکمیل ہونا ہے ۔ ان علوم کی تحصیل کے لازماً یہ معنی نہیں ہیں کہ یہ لوگ اُردو کے بھی عالم ہو کر آتے ہیں اگر اس دلیل کو صحیح مان لیا جائے تو ایک ایسے ہندوستانی کو جو برمنگھم یونی‌ورسٹی سے انجنیرنگ کی ڈگری لے کر آئے ہندوستانی یونی ورسٹیوں میں زبان انگریزی کا پروفیسر مقرر کیا جا سکے گا ۔ ان غلط فہمیوں نے ہمیں کس قدر نقصان پہنچایا ہے اس کا اندازہ اس حقیقت سے ہو سکتا ہے کہ کلکتہ یونی ورسٹی جو علم کا مرکز ہے اس عام غلط فہمی کی زد سے محفوظ نہ رہ سکی ۔ واقعہ یہ ہے کہ کلکتہ یونی ورسٹی نے عربی اور فارسی کے اُن علما کو اُردو کا ممتحن مقرر کر دیا جو اُردو کا ایک جملہ بھی صحیح نہیں لکھ سکتے ۔ اس بحث سے میری غرض یہ ظاہر کرنا ہے کہ امتحان کا معیار بلند رکھنا چاہئے اور اس کا معیار میری رائے میں وہی ہونا چاہئے جو فورٹ ولیم کلکتہ کے بورڈ ممتحنین کے آنرز کی ڈگری کے امتحان کا ہے ۔ اس وقت اُردو کے جو مدرس صوبے کے منظور شدہ مدرسوں اور اسکولوں میں پڑھا رہے ہیں انہیں ہدایت کی جائے کہ امتحان شروع ہونے کے تین سال کے اندر وہ مذکورہ امتحان میں شرکت کر کے کامیابی حاصل کریں ۔

(۳) درسی کتب کی تالیف و انتخاب ۔ اس سلسلے میں میری

تجویز یہ ہے کہ مرکزی ٹیکسٹ بک کمیٹی میں موزوں اور اہل مسلمانوں کو نمائندگی دی جائے ۔

(۴) آردو کے ایک تربیتی اسکول کا قیام ۔ مندرجہ بالا اقدامات کے علاوہ اُردو کے اساتذہ کے لیے ایک تربیتی اسکول بھی قائم ہونا چاھیے اگر اِس قسم کا اسکول قائم کردیا گیا تو بہت ھی تھوڑے عرصے میں آردو کے بے شمار موزوں اساتذہ بہم پہنچ سکیں گے ۔ مگر مجھے معلوم نہیں ہے کہ حکومت اس سلسلے میں مزید اخراجات کا بار برداشت کرنا مناسب سمجھے گی یا نہیں ۔ اس لئے سردست میں اس معاملے پر زور نہیں دیتا ۔

آردو کی تعلیم کے فوائد

مجھے کامل یقین ہے کہ اگر آردو کی تعلیم بھمل گئی تو اس سے حکومت کو خاصی بچت ہوگی ۔ کیوں کہ اس وقت مسلمانوں کی جانب سے جو یہ مطالبہ ہو رہا ہے کہ ان کے بچوں کی تعلیم کا علحدہ بندو بست کیا جائے اس پر حکومت کو روپیہ خرچ کرنے کی ضرورت باقی نہ رہے گی۔ آردو کی تعلیم سے مسلمان بچوں کو اِسلامی روایات کا علم ہوگا اور اس سے ان کو اپنی ذات کے امکانات کا بھی شعور ہوگا ۔ وہ اپنے پیروں پر کھڑے ہو جائیں گے اور پنجاب اور یو، پی کے مسلمانوں کی طرح خود اعتمادی کا جوہر ان میں بیدار ہوگا اور وہ اپنی مدد آپ کرنے کے اُصول پر عمل پیرا ہوں گے اور یہ چیز نہ ہوسکی تو حکومت کی نیک خواہشات اور ہمدردانہ کوششیں بےکار ثابت ہوں گی ۔

نام نہاد مسلمانی بنگالی اعلا تعلیم کے لئے بیکار ہے

اگر بہ نظر حقیقت دیکھا جائے تو معلوم ہوگا کہ اس برعظیم میں

صرف بنگالی مسلمان ہی ایسے بد قسمت ہیں کہ ان کی اپنی کوئی زبان نہیں ۔ اس حقیقت کے احساس نے ایک نئی بنگالی کو جنم دیا ہے جو "مسلمانی بنگالی" کے نام سے موسوم ہے ۔ ہندو اس کے نام سے بھڑکتے ہیں اور اس کے سخت مخالف ہیں ۔ اس نئی بنگالی کی خصوصیت یہ ہے کہ اس میں عربی اور فارسی کے الفاظ نہایت آزادی کے ساتھ داخل کئے گئے ہیں ۔ ہندوؤں کو اندیشہ ہے کہ اگر عربی اور فارسی کے الفاظ اسی انداز سے بنگالی میں شامل کئے جاتے رہے تو خالص زبان کا قدیم اور اصلی حسن غارت ہو جائے گا ۔ اس کے علاوہ جس وقت تک کہ اس نام نہاد "مسلمانی بنگالی" میں ضروری مذہبی کتابیں منتقل ہوں گی اس وقت تک تو انہیں اچھی طرح اردو سکھائی جا سکے گی جو بہر حال انہی کی زبان ہے ۔ ابتدائی تعلیم کے سلسلے میں ایک بات "مسلمانی بنگالی" کے حق میں کہنی ضروری ہے ۔ وہ یہ کہ بنگالی کی یہی شکل ہے جو ان مسلمان بچوں کے سمجھ میں نسبتاً آسانی سے آ جاتی ہے جن کی مادری زبان اردو نہیں ہے ، یہ ان کے لئے مفید ثابت ہو سکتی ہے لیکن شرط یہ ہے کہ اس زبان میں مسلمانوں کی تاریخ اور ان کے مذہب سے متعلق مواد منتقل کیا جائے اور ابتدائی کتابوں میں موقع بہ موقع داخل کیا جائے ۔

خلاصۂ کلام

گذشتہ صفحات میں جن خیالات کا اظہار کیا گیا ہے مختصراً انہیں مندرجہ ذیل تجاویز کی صورت میں پیش کیا جاتا ہے ۔

(الف) یہ کہ بنگال کے جونیر اسکولوں اور مدرسوں میں فارسی

کی تعلیم ختم کرکے اس کی جگہ آردو بطور ثانوی زبان کے رائج کی جائے ۔

(ب) مسلمان بچوں کے لیے آردو کی تعلیم لازمی قرار دی جائے ۔

(ج) آردو کے امتحان کا ایک بورڈ قائم کیا جائے اور آردو کے مدرسین کے لیے اس امتحان کا پاس کرنا ضروری قرار دیا جائے ۔

(د) مسلمان بچوں کے لیے مناسب اور موزوں نصاب تیار کیا جائے اور مضامین کا انتخاب احتیاط کے ساتھ کیا جائے ۔

(ہ) اگر ممکن ہو تو آردو کا ایک تربیتی اسکول قائم کیا جائے

اس نوٹ کو ختم کرنے سے پہلے میں یہ واضح کر دینا ضروری سمجھتا ہوں کہ میں نے جو خیالات اور رائیں ظاہر کی ہیں یہ مسلمان طلبہ کی ثانوی تعلیم سے متعلق ہیں ۔

آخر میں مجھے یہ عرض کرنا ہے کہ مسلمانان بنگال اس وقت تک ہرگز ترقی نہیں کرسکیے جب تک کہ ان میں وسیع پیمانے پر آردو کی اشاعت نہ کی جائے مختصر یہ کہ آردو کا سوال مسلمانان بنگال کی تعلیم کی زندگی اور موت کا سوال ہے ۔

بدرالدین احمد

(سابق) مددگار انسپکٹر آف اسکولز برائے تعلیم مسلمانان
پریسیڈنسی ڈویژن

یوم اقبال کا جواب

(از ڈاکٹر ابوظفر محمد طاہر ۔ ٹھٹیری بازار ڈھاکہ)

٭

وہ درمیانی طبیعت کے اصحاب جو فرمایا کرتے ہیں ''اگر بنگلہ سرکاری زبان ہو جائے تو کیا مضائقہ ہے ؟ '' میرے خیال میں اب انہیں مزید جواب دینے کی ضرورت باقی نہیں رہی ۔

پاسبان مورخہ ۱۳ مئی کی خبر ہے کہ پرانا پلٹن ڈھاکہ میں یوم ٹیگور بڑی شان سے منایا گیا اور جلسہ نہایت ہی کام یاب رہا ۔

یوم پیدائش یا مفروضہ یوم منانے کی رسم بہت ہی پرانی ہے لوگ اپنے پیشواؤں کے نام ایک نہ ایک دن مقرر کر کے ان کی یاد مناتے چلے آئے ہیں ، اور آج بھی یہ رسم جاری ہے ۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی پیدائش کا دن ۲۰ اپریل ہے لیکن موسمی سہولت کے پیش نظر ۲۵ دسمبر کی تاریخ مقرر کر لی گئی ہے ، اب تمام مسیحی اسی دن آپ کی یاد مناتے ہیں ۔ اسلام نہ صرف انسان بلکہ کائنات کے ایک ذرہ کو بھی اپنے برکات سے محروم دیکھنا پسند نہیں کرتا ، اس لیے اس نے شمسی کی جگہ قمری مہینوں کو ہی ترجیح دی، اس اصول کے مطابق ۱۲ ربیع الاول کو ہی منایا جاتا ہے ۔

اس نام نہاد ترقی یافتہ زمانے میں لوگوں نے اس رسم کو مذہبی پیشواؤں تک ہی محدود نہیں رکھا اب نہ صرف اکابر قوم بلکہ معمولی واقعات اور لیڈروں کے نام سے بھی ایک ایک دن کو منسوب کر لیا ہے۔

جہاں تک اچھائیوں کا تعلق ہے میرے خیال میں ایسے لوگ جن کی ہستیاں قابل تقلید ہوسکتی ہیں ان کا یوم منانا اور ان کے کارنامے سنا کر لوگوں کو اچھائیوں کی طرف مائل کرنا کوئی بری بات نہیں ۔

لیکن اسلام چونکہ ہر مسلمان سے شخصیت پرستی کی جگہ خدا پرستی کا مطالبہ کرتا ہے ۔ اس لیے اگر کوئی مسلمان اپنے کسی بزرگ یا پیشوا کے نام سے کوئی دن مقرر کرکے ان کی یاد منانا چاہے تو منا سکتا ہے لیکن قرآن و حدیث کی حد بندی سے باہر جانے کی اسے کسی حالت میں بھی اجازت نہ ہوگی ۔ مثلاً وہ یہ نہیں کہہ سکتا کہ ہماری قوم کی چند عورتیں تالاب میں ننگی نہا رہی تھیں ہمارے فلاں بزرگ نے ان کے کپڑے اٹھا لیے اور درخت پر بیٹھے ان کے ننگے نہانے کا تماشہ دیکھتے رہے ۔ وغیرہ وغیرہ ۔

اس کے علاوہ اسلام ایک فطری مذہب ہے اس کا ہر کام قانون فطرت کے مطابق ہے ۔ مثلاً کہنے کو سبھی داھنے کو سیدھا اور بائیں کو الٹا کہتے ہیں ۔ لیکن جب وہ لکھیں گے تو بائیں طرف سے ، چلیں گے تو بائیں پاؤں سے ۔ بخلاف اس کے اسلام ہر کام میں داھنے کو ہی فوقیت دیتا ہے ۔ اگر آپ اس مسئلہ پر

ذرا غور سے کام لیجیے تو آپ کو ماننا پڑے گا کہ ساری دنیا قانون فطرت کے خلاف ہے اور اسلام موافق ، یہی وجہ ہے کہ دنیا کے تمام مذاهب حوادث روزگار کے معمولی جھٹکوں میں تباہ و برباد ہوگئے لیکن بحمد للہ کہ اسلام اب تک اپنی پوری شان کے ساتھ اسی طرح موجود ہے ۔ نہ اس کے متبعین کو مذہب بدلنے کی ضرورت ہوتی ہے اور نہ اسے اپنے قوانین میں تبدیلی کی ضرورت پڑتی ہے ۔

بہر حال مجھے کہنا یہ تھا کہ یوم ٹیگور منایا گیا اور جلسہ نہایت ہی کامیاب رہا ۔ لیکن آپ شرما جائیں گے اگر بتادوں کہ اس جلسہ کے کامیاب بنانے والے کون تھے ۔ افسوس کہ وہ سب کے سب مسلمان تھے ۔ وہ مرد بھی مسلمان تھے وہ عورتیں بھی مسلمان تھیں اور وہ سب لڑکے بھی مسلمانوں ہی کے تھے ۔ وہ گھر بھی مسلمان ہی کا تھا اور سب سے بڑی بات تو یہ ہے کہ اسلامی ریاست کے سب سے بڑے دعویدار مشرقی پاکستان کے دارالحکومت ڈھاکہ ہی میں یہ سب کچھ ہوا ۔

افسوس کہ انہیں یوم صدیق ، یوم عمر ، یوم عثمان اور یوم علی منانے کا خیال نہ آیا ۔ اگر شاعری سے دلچسپی ہی کا سوال ہے تو یوم سعدی یوم حافظ اور یوم حالی منانے کا خیال نہ آیا ۔ یوم اقبال نے تو گویا ان کے آگ ہی لگادی کہ اس کے مقابلے میں یوم ٹیگور منانا گویا فرض اولیں ہوگیا ۔ آپ جانتے ہیں ایسا کیوں ہوا ؟ صرف اس لیے کہ ان بزرگوں کی زبان بنگلہ نہ تھی ۔ اب آپ ہی فیصلہ کر لیجیے کہ انہیں ایمان اور اسلام پیارا ہے یا زبان ۔

ہاں ! مگر آپ کو غلط فہمی نہ ہونی چاہیے الحمد للہ کہ اس گئے گزرے زمانہ میں بھی مذہبی نقطہ نگاہ سے مشرق بنگال دوسرے صوبوں کے مقابلہ میں کچھ آگے ہی رہے گا ، انتہا یہ ہے کہ چور جب تک عشا پڑھ نہیں لیتا چوری کے لیے نہیں نکلتا - یہ ایک مخصوص طبقہ ہے جو خود بھی گمراہ ہے اور دوسروں کو بھی گمراہ کرنے کی کوشش میں لگا رہتا ہے - یہ وہی بنگلہ نواز طبقہ ہے جس نے خلیفہ المسلمین حضرت عثمان ذوالنورین کو دشنام دی - قائد اعظم کا یوم منانے پر نکتہ چینی کی - بنگلہ زبان کی شورش اٹھائی وہ بنگلہ دوستی میں اتنا غلو کر گیا ہے کہ اگر خدا نخواستہ فضائے آسمانی پر اسلام اور اسلامیات کے پرخچے اڑتے نظر آئیں تو اس کا دل نہ دکھے گا - اگر پاکستان کے ٹکڑے ٹکڑے ہو جائیں تو اسے پریشانی نہ ہوگی - نصیب دشمناں اگر مسلمان قوم اپنے پورے نام و نمود کے ساتھ مٹ جائے تو اسے اس کا دکھ نہ ہوگا - لیکن اگر اس کا دل بے تاب ہو سکتا ہے ، اگر کوئی شے اس کے دماغی توازن کو بگاڑ سکتی ہے تو صرف یہ کہ زبان بنگلہ کو کسی طرح ٹھیس لگ جائے -

اگر یہ نہیں تو پھر بتائیے کہ یوم ٹیگور منانے کا کیا مقصد ہے ؟ مرد ، عورت اور لڑکوں کو ایک جگہ بٹھا کر ٹیگوری نظریات سنانے کا کیا مقصد ہے ؟ آوا گون اور اس قسم کے غیر اسلامی نظریات جو ٹیگور کی شاعری کے نمایاں کارنامے ہیں پیش کرنے کا کیا مقصد ہے -

ٹیگور ایک بنگالی ہندو شاعر تھا - نوبل پرائز پالینے کی وجہ سے کچھ مشہور ہوگیا - اب ہمارے بنگلہ نواز بھائیوں کو

اس کو دیکھنے کی ضرورت باقی نہ رہی کہ وہ کون تھا ؟ اس کے مقابلے ہمارے موافق تھے یا خلاف ؟ اس کے خیالات و جذبات سراہنے سے ہماری سوسائٹی اور آئندہ نسل پر اثر اچھا پڑے گا یا برا ؟ وہ قطعاً نہیں سوچتے کہ لیکچر کی تعریف میں رطب اللسان ہونا قرآن کو نظر انداز کر دینے کے برابر ہے ۔

اسلام نے دوسروں کے لیڈروں اور پیشواؤں کو برا کہنے سے روکا ہے ساتھ اُن کی تعریف اور مدحت سرائی بھی منع فرمائی ہے ۔ قاعدہ ہے کہ جب کہیں کسی کی تعریف ہوتی ہے سننے والے سب نہیں تو کچھ نہ کچھ تو ضرور ہی اُس کی باتوں کو اپنی عادت میں شامل کرلینے کی کوشش میں لگ جاتے ہیں ۔ ان غریبوں کو اس کا پتہ کہاں ہے کہ یہ باتیں اسلام اور اسلامیات کے کہاں تک خلاف ہیں ؟

لہذا میں اپنے بنگلہ نواز بھائیوں سے استدعا کروں گا کہ وہ ٹھنڈے دل سے اس پر غور کریں کہ وہ کہاں ہیں اور کدھر جارہے ہیں ؟ ۔ تاریخ بتاتی ہے کہ جب تک فارسی کے بعد اُردو سرکاری زبان رہی لوگ جوق در جوق اسلام میں شامل ہوتے رہے اور جونہی ان زبانوں کو بند کیا گیا دوسرے مسلمان تو کیا ہوتے اب مسلمان ہی گویا غیر مسلمان بننے لگے ۔

یاد رکھیے کہ دنیا کی ہر قوم کو ترقی کرنے اور زمانہ کو سازگار بنانے کے لیے اپنے مذہب سے ھٹنا پڑتا ہے لیکن مسلمان اتنا ہی ترقی پذیر ہوسکتا ہے جتنا کہ زیادہ سے زیادہ وہ اسلام کی طرف مائل ہوگا ۔ زندگی کا کوئی بھی گوشہ ایسا نہیں ہے جس

کی لمعہ افشانی کے لیے ہمیں غیروں سے اکتساب نور کرنے کی ضرورت باقی رہ گئی ہو۔ مگر ہاں ! اس کے لیے ضرورت ہے کہ ہم صوبائی تعصب اور لسانی عصبیت سے باہر نکل کر ذرا اپنے اسلاف اور متقدمین کی طرف بھی توجہ کریں اور یقیناً ہمارا یہ مقصد بنگلہ کے ذریعہ حاصل نہیں ہوسکتا ۔ اس لیے کہ نہ تو یہ کبھی ہماری زبان رہی ہے اور نہ یہ ہماری زبان ہوسکتی ہے اور نہ اس میں اسلامی زبان بننے کی کوئی صلاحیت موجود ہے۔

میں خود بھی آپ ہی جیسا بنگالی ہوں ۔ میں پوری طرح اندازہ کرچکا ہوں کہ جب تک میں اس لسانی تعصب سے الگ نہیں ہوتا ۔ جب تک اس زبان کی کبریائی دیکھنے کے شوق سے باز نہیں آتا اس وقت تک اسلام اور اسلامیات کے نعمت ہائے بے پایاں سے اپنے جیب و داماں کو مالا مال کر نہیں سکتا ۔

حسین شاہ مرحوم کے زمانہ میں بہت کوششیں کی گئیں جنگ نامہ حضرت علی ، امیر حمزہ اور رستم و سہراب وغیرہ وغیرہ بڑی بڑی پوتھیاں لکھی گئیں ، لاکھوں جتن کیے ، لیکن جب کسی طرح بھی اس زبان کو وہ متقدمین اپنا نہیں سکے تو اسے چھوڑ دینے پر انہیں مجبور ہونا پڑا ۔

ہمارے لیے اردو اور صرف اردو ہی ہے جو مذہبی ، معاشرتی ، تمدنی اور ہماری ہر ضرورت کا خزانہ اپنے اندر موجود رکھتی ہے اور ہر ضرورت مند کو اس کی ضرورت سے زیادہ دینے کے لیے ہر وقت تیار بیٹھی ہے۔ مگر ہم اسے حاصل کرنے کے لیے اپنا دست طلب بڑھائیں بھی تو۔

ایک بین مثال اس کی یہ ہے کہ پورے ہندستان میں جتنے علماء ہوں گے صرف مشرق بنگال اس سے زیادہ علما پیش کر سکتا ہے اس کے باوجود کیا کوئی ہے جو ایک ہی عالم کا نام پیش کردے جسے عالم گیر، تو کیا ہندستان گیر شہرت ہی حاصل ہو ـ کیا اس کا سبب یہ اور صرف یہی نہیں ہے کہ آردو کی کمی نے انہیں کنویں کا مینڈک بنا رکھا ہے مذہبیات کے علاوہ دولت ، ثروت ، عزت ، عظمت ، علم ، ہنر غرض کہ زندگی کا کوئی بھی شعبہ ایسا نہیں ہے جس میں کسی ایک کا بھی نام پیش کیا جا سکے ـ کیا آپ کہہ سکتے ہیں کہ یہاں ایسے لوگ پیدا نہیں ہوتے ـ ہرگز نہیں ! ہوئے ہیں ـ ہوتے بھی ہیں اور ہوتے رہیں گے ، لیکن افسوس کہ ہمارے منہ میں وہ زبان نہیں ہے جس کے ذریعہ دنیا والوں پر ہم اپنی قابلیت کی دھاک بٹھا سکیں ـ

میرے غفلت زدہ بھائیو ! یہ آردو اور صرف آردو ہی ہے جو تمہیں وہاں پہنچا سکتی ہے فی الحقیقت تم جہاں کے مستحق ہو ـ قدرت کی تمام نعمتیں حاصل ہیں مگر یہ صرف زبان کی ہٹ اور ضد ہے جس نے آج ہمیں اس تباہی میں ڈال رکھا ہے اور نہیں معلوم کہ اس کے بعد اور کیا ہو ؟

اللہم اہد قومی انہم لا یعلمون !

سرکاری زبان

جناب سید قمر الاحسن صاحب
سلہٹ (مشرق پاکستان)

★

جناب کوی غلام مصطفیٰ صاحب نے ۲۴ جون کے اخبار ''مارننگ نیوز،، میں نہایت وضاحت کے ساتھ پاکستان کی سرکاری زبان کے مسلے پر روشنی ڈالی اور اردو کے حق میں وزنی دلائل دیئے۔ انجمن ترقی اردو پاکستان کے جریدے قومی زبان کی یکم جولائی والی اشاعت میں اس مضمون کا ترجمہ سلیس اور آسان زبان میں شایع ہو چکا ہے۔

اس مضمون کی اشاعت کے بعد مارننگ نیوز کے مراسلاتی کالموں میں ایک نامہ نگار نے کوی غلام مصطفیٰ صاحب کے مضمون پر نکتہ چینی کی ہے اور عربی کو پاکستان کی قومی زبان قرار دینے کی حمایت کی ہے۔ مراسلہ نگار کے استدلال کا انداز بھی قریب قریب وہی ہے جو شروع سے اردو کے مخالفین کا رہا ہے۔ سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ عربی کے لیے یہ شور کیوں مچایا جا رہا ہے؟ عربی کی یہ محبت یقیناً تحریک اتحاد عالم اسلامی کے سلسلے کی کڑی نہیں ہے۔ اور نہ دنیائے اسلام کے مختلف ممالک کے درمیان کوئی مشترک رشتہ تلاش کرنے کی غرض سے اب عربی کا نام لیا گیا ہے۔ اس کا مقصد تو صرف یہ ہے کہ اصل معاملہ کی طرف سے توجہ ہٹادی جائے۔ عربی کے وکیل بڑی معصومیت کے ساتھ کہتے ہیں کہ عربی کی حیثیت بحث و تمحیص سے بالاتر ہے اور اسلامی ممالک کے درمیان ربط و تعلق پیدا کرنے کے لیے اس سے بہتر ذریعہ

ظہار کوئی دوسری زبان نہیں ہو سکتی۔ اس کے جواب میں ہماری گذارش صرف یہ ہے کہ " دوستو سیاست کاری چھوڑو "

کیا اسلام بنگالی سندھی پنجابی پٹھان اور بلوچی کی تفویق کی اجازت دیتا ہے؟ کہا جاتا ہے کہ ڈھاکہ یونی ورسٹی کے پروفیسر قاضی مطہر حسین صاحب نے ایک بیان میں فرمایا ہے کہ آردو کو پاکستان کی سرکاری زبان تسلیم کرنے کا نتیجہ یہ ہوگا کہ بنگالی نسل ہمیشہ کیلیے دوسروں کی غلام ہوکر رہ جائے گی اور اس کے معنی صرف یہ ہوں گے کہ اب انگریزوں کے بجائے پنجابی سندھی اور بلوچی آقا ہمارے سروں پر مسلط ہو جائیں ! انہوں نے (قاضی مطہر حسین صاحب نے) متنبہ کیا ہے کہ اگر آردو کو بنگالیوں کے اوپر زبردستی ٹھونسنے کی کوشش کی گئی تو اس کا نتیجہ یہ بھی ہوسکتا ہے کہ مشرقی بنگال مغربی پاکستان سے قطع تعلق اختیار کرلے ۔ یہ کس قدر زہریلی باتیں ہیں !

پاکستان اس وقت ایک دورا ہے پر کھڑا ہے۔ حضرت قائداعظم رحمۃ اللہ علیہ اور آن کے لایق جانشین قائد ملت لیاقت علی خاں مرحوم اب ہمارے درمیان موجود نہیں ہیں ہماری نظریں جری اور با حوصلہ قیادت کی تلاش میں ہیں ۔ اور یہ ایک تلخ حقیقت ہے کہ ہمارے قائدین ان صفات سے محروم نظر آتے ہیں ۔

ایسی صورت میں کیا ہمیں انتشار پسندوں کے آگے سر جھکا دینا چاہئے ؟ مشرقی بنگال کے وزیر اعلیٰ نور الامین صاحب نے میمن سنگھ میں لیگی کار کنوں کے اجتماع میں جو تقریر کی تھی "قومی زبان" یکم جولائی کے اداریے میں اس پر پرزور تنقید کی گئی ہے ۔ وزیر اعلیٰ نے اپنی محولہ بالا تقریر فرمایا تھا کہ صرف ایک چیز تھی جس کی وجہ سے اس برعظیم کے مسلمانوں نے

حصول پاکستان کی جد و جہد میں عدیم المثال قربانیاں پیش کیں ۔ اور وہ عنصر مذہب کا مشترک رشتہ تھا ۔ ' قومی زبان ' نے اس دلیل کی معقولیت کو تسلیم کرلیا مگر ایک قدم اور آگے بڑھا کر یہ کہا کہ اس اتحاد خیال و عمل کی تہ میں مذہب کی طرح یہ آرزو بھی کارفرما تھی کہ اپنے مشترکہ کلچر اور اپنی مشترکہ زبان کو تباہی سے بچایا جائے ۔ اب اس آرزو کی اہمیت کو گھٹایا نہیں جا سکتا ۔ اس کے علاوہ ' قومی زبان ' نے بنگال مجلس قانون ساز کی اس قرارداد پر بھی اعتراض کیا جس کی رو سے بنگلہ کو بھی ایک سرکاری زبان بنانے کی سفارش کی گئی تھی کیونکہ اس قرارداد سے قائد اعظم مرحوم کے وعدوں کی نفی ہوتی ہے ۔

کیا میں آخر میں یہ عرض کرسکتا ہوں کہ مشرق اور مغربی پاکستان کی کیفیت دو توام بچوں کی سی ہے جو ایک ساتھ پیدا ہوئے ہیں ۔ انہیں ایک دوسرے سے ہرگز جدا نہیں کیا جا سکتا ۔ میں اس امر کو دوبارہ یاد دلادینا چاہتا ہوں کہ پاکستان کا ایک کلچر ہے اور اسی ایک کلچر پر اسے فخر ہے ۔ یہ کلچر اسلامی کلچر ہے جو لوگ اسے سمجھنے کی کوشش نہیں کرتے وہ کسی ایسی دنیا میں رہتے ہیں جو اسلامی تصور سیاست اور اسلامی ثقافت سے الگ ہے ۔ ہمیں ایسے لوگوں پر ترس آتا ہے ۔

یہ بڑے افسوس کی بات ہے کہ مشرقی پاکستان کے مسلمانوں کا ایک طبقہ کچھ اس طریقے پر سوچتا اور عمل کرتا ہے کہ اس سے اسلامی کلچر سے بے گانگی ٹپکتی ہے ۔ معلوم ایسا ہوتا ہے کہ ان لوگوں کے ذہن سے اپنے آبا کی روایات یکسر محو ہوگئی ہیں ۔ ان کے عمل سے اسلام کے بنیادی تصورات کو صدمہ پہنچتا ہے ۔

مراسلہ

یہ ایک بنگالی بھائی کا خط ہے ہم نے آن کی تحریر میں کوئی ترمیم نہیں کی ہے ، انہوں نے اپنی ٹوٹی پھوٹی آردو میں جن جذبات کا اظہار کیا ہے وہ یقیناً قابل قدر ہیں ۔ (مدیر)

جناب ایڈیٹر صاحب

السلام علیکم و رحمۃ اللہ و برکاتہ

بعد التماس ہے ، کہ اظہار مافی الضمیر کی حق ہر آزاد بالغ کو ہے ۔ پس مندرجہ ذیل مضمون کو خدمت اقدس میں ارسال کیا ۔ آمید کہ اخبار کی توسط شائع فرما کر ممنون فرماویں ۔

(۱) پاکستان سے مراد صوبۂ سندھ ، صوبۂ سرحد ، صوبۂ مغربی پنجاب ، بلوچستان اور مشرق بنگال ہے ۔ ان میں کسی صوبہ کا صوبائی زبان آردو نہیں ہے تا ہم آردو عربی حروف سے ہونے کی وجہ اس کی توسط اسلامی الفاظ صحیح طور پر ادا ہوتی ہے ۔ لہذا سرحدی ، سندھی ، بلوچی پنجابیوں نے آردو کو بے قیل وقال پاکستان کی عام زبان قرار دینے میں کسی قسم کی عذر نہیں کی کیوں کہ آردو کی توسط اسلامی الفاظوں کی صحیح تلفظ کے علاوہ عربی کے بعد دنیا کی مسلم بھائیوں سے تبادلۂ خیالات کی ایک زرین موقع ہے ۔ ایسے زرین موقع سے بنگالی مسلم بھائی کیوں متنفر ہیں ؟ ضرور اس کے اندر طرح طرح کی راز پوشیدہ ہے ۔ جن میں سے (الف) مخالفین کی کارسازی (ب) بعض انگریزی خواں سرکاری ، بے سرکاری ملازم اپنی ملازمت سے برخاست ہونے کی بے جا خوف (ج) بنگلہ انگریزی منشی صاحبان اور مصنفین کو اپنی معطلی کا بیہودہ خوف ، پس موجودہ طلبۂ بنگال کی ہرتال میں مندرجۂ بالا حضرات کی کارسازی معلوم ہورہی ہے ۔ طلبہ آزاد خیال ، نونہال ہیں ۔ لیڈر اور سمجھانے والے کی دھوکے

سے بچنے کا طاقت ان کو بہت کم ہے ۔ کیوں کہ کتنے ہی عقل مند کیوں نہ ہوں بوجہ عدم تجربہ ان کی عقل پختگی سے خالی ہوتی ہے ۔ انسان کا تجربہ روز بروز ترقی پذیر ہوتی رہتی ہے ، پس بنگلہ بھاشا کو پاکستان کی عام زبان کرانے کی هرتال میں طلبہ بالکل بے قصور ہیں ۔ اس لیے هرتال میں شہید شدہ طلبہ کے لیے افسوس صد افسوس ہے ۔ اس کی تدارک ہونی چاہیے ۔ پس پاکستان مجلس آئین ساز کو چاہیے کہ بنگلہ زبان کو پاکستان کا عام زبان قرار دینے سے قبل آزادانہ طور پر تمام بالغ مسلم بنگالی سے ووٹ (رائے) لینے کا با قانون بندوبست کریں ۔ ورنہ ساڑھے چار کروڑ بنگالی کو ہمیشہ کے لیے دنیا کی دیگر مسلمانوں سے ایک علاحدہ قوم بنانے میں مدد دے گی ۔ جیسا کہ وہ لوگ قبل حصول پاکستان تمام مسلمانان عالم سے ایک علاحدہ قوم تھے

(۲) اگر یہ بات غلط ہے اور واقعی بنگال کی هرتال صحیح عنوان پر تھے تو بنگلہ ، هندی تلفظ و تعداد حروف اور گریمر ہر دو کا قریب قریب ہونے کی باوجود پچھم بنگال میں کیوں بنگلہ بھاشا کو هندستان گورنمنٹ عام زبان قرار نہیں دیتے ؟

(۳) مطلب بازوں نے طلبہ کو اس قدر بگاڑ رکھا کہ ان کو بنگال کے عام لوگ هیبت سے دیکھتے ہیں ، گورنمنٹ کو چاہیے کہ فوراً اس هیبت کو پبلک کی دل سے نکالنے کی کوشش کریں بعد اس کے آزادانہ طور پر ان سے رائے لینے کا بندوبست کریں ۔ کہ پاکستان کا عام زبان کیا ہوگی ؟ بنگال اسمبلی کی نئی ممبروں کی انتخاب کا زمانہ قریب ہے ، جس کی توسط اس کا فیصلہ آسان ہوگا ۔ ایسا نادر موقع رہنے کے باوجود اگر پاکستان مجلس آئین ساز اس کو فوراً منظور کرلے تو قبل از وقت ہوگا ۔ ساتھ ہی بنگالی عام مسلمانوں کو زندہ در گور دفن کرنے کا سبب ہوگی ۔

نیاز مند،

حکیم سلامت اللہ

مشرقی پاکستان کو دعوت فکر

(از جناب حکیم سلامت اللہ صاحب ڈاکخانہ راؤ جان ضلع چاٹگام)

★

گذشتہ ۱۰ اپریل سنہ ۱۹۵۲ء کو پاکستان مجلس آئین ساز میں جناب پیر زادہ عبدالستار صاحب کی ترمیمی تجویز پیش ہو کر اکثریت کی رائے سے پاس ہونا اور اس میں چند مخالفین کا مخالفت کرنا اس بات کو ثابت کر دیتا ہے کہ بنگال کے بھاشا پروپیگنڈے میں مخالفین پاکستان اور مطلب بازوں کا راز پوشیدہ ہے ورنہ مجلس آئین ساز میں مشرق پاکستان کی رکنیت کی تعداد زیادہ ہونے کے باوجود یہ تجویز اکثریت رائے سے پاس ہونا کیوں کر ممکن ہوسکتا تھا ۔ اس ترمیمی تجویز کے پیش ہونے کے بعد مخالفین کے جواب کے سلسلہ میں مشرق پاکستان کے وزیر اعلیٰ جناب نورالامین صاحب نے جو تقریر فرمائی وہ قابل غور ہے ۔

" میں امید کرتا ہوں کہ صوبۂ مشرق پاکستان میں آئندہ اسی قسم کی بھول یا مجبوری پیش نہ آئے گی "۔

بالآخر مشرق پاکستان کے بھائی صاحبوں کی خدمت میں التماس ہے کہ مندرجہ ذیل باتوں کو غور سے ملاحظہ فرمائیں ۔

(الف) جب ہماری گردن میں غلامی کا بھاری طوق پڑا ہوا تھا حصول آزادی کے لیے پروپیگنڈا کرتے وقت ہم نے کیا وعدے کئے تھے ؟ آیا حصول آزادی کے بعد اردو کی مرکزی حیثیت کو

ہم نے تسلیم نہیں کیا تھا ؟ کیا اس میں بنگلہ بھاشا کا کوئی ذکر تھا ؟

(ب) بانئی پاکستان قائد اعظم رحمہ اللہ علیہ کے ارشادات کیا تھے ؟ اس کے خلاف پروپیگنڈا کرنا کیا [illegible] کے خلاف نہیں ہے ؟

(ج) جس بنگلہ بھاشا کے لئے پروپیگنڈا ہو رہا ہے کیا وہ بھاشا مشرقی بنگال میں بولا جاتا ہے ؟ خصوصاً چاٹگام ڈویژن ، سلہٹ ، چاٹگام ، کوھی چاٹگام ، نواکھلی وغیرہ کے بیشتر حصوں کی موجودہ بولی کا موجودہ بنگلہ بھاشا سے کوئی تعلق ہے ؟ اگر چہ چند انگریزی خواں کلکتہ یونی ورسٹی کی بدولت اس کو مجبوراً جانتے ہوں گے ۔ حصول آزادی کے بعد یہ بلائے عظیم چاٹگام ڈویژن کے باشندوں کے سر پر رکھ دینا کیا ظلم عظیم نہیں ہے ؟ اور چوں کہ بنگلہ مغربی بنگال کی بھاشا ہے پس اس پروپیگنڈے کے پیچھے مغربی بنگال والوں کی سیاسی چالیں تو کار فرما نہیں ہیں ؟

(د) موجودہ بنگلہ حروف میں بہت سے حروف ایسے ہیں جو کہ بنگلہ بھاشا میں غیر مستعمل ہیں ۔ یہ قاعدۂ کلیہ ہے کہ اولاً بولی وجود میں آتی ہے اس کے اظہار کے لئے ثانیاً حروف ایجاد کئے جاتے ہیں ۔ یہ قاعدہ خلاف یہاں پر کیوں ہوئی ؟ کیا یہ دلیل کافی نہیں ہے کہ موجودہ بنگلہ حروف بلا کسی ترمیم کے سنسکرت حروف سے تبدیل کر کے لائے گئے ہیں ؟ ورنہ بے ضرورت حروف اس میں کیوں موجود ہوں گے ۔

(۲) مندرجہ بالا تمام عریضہ کو سوچ سمجھ کر مشرقی پاکستان والوں کو چاہئے کہ آنے والی نسل کے بھلائی کے لئے

راشٹر بھاشا کا انتخاب کرلیں ۔ تا کہ ہمارے قومی کلچر اور برادری کے اتحاد میں خلل نہ پڑے۔

(۳) قبل تقسیم صوبہ بنگال میں کیا مسلمان اکثریت میں نہ تھے جیسا کہ آج پاکستان میں ہمارے دعوائے اکثریت کی آواز بلند ہورہی ہے ، لیکن سوچنا یہ ہے کہ اکثریت پر رہنے کے باوجود بیرون بنگال خصوصاً صوبہ بنگال کی راج دھانی شہر کلکتہ میں بنگالی سے مراد ہندو کیوں سمجھے جاتے تھے ؟ تعداد اکثریت کو اقلیت نے کیوں کر ہضم کر رکھا تھا ؟

برادران مشرقی پاکستان ! اب سوچنے اور مطلب بازوں دھوکا بازوں سے الگ رہنے کا وقت ہے۔ تا کہ اکثریت اقلیت میں، آزادی غلامی میں تبدیل نہ ہوجائے ۔ اگر حیثیت نہیں ہے تو یورپ والوں سے سیکھو کہ تمام عیسائی قوم ایک ہی حروف میں کیوں منسلک ہے ؟ جب ترکی عربوں نے خفا ہو کر عربی حروف کو چھوڑا اسی وقت خیال کیا گیا تھا کہ ترکی سے عالم اسلام کو کچھ فائدہ نہ ہوگا ۔ آج وہ خیال صحیح نظر آ رہا ہے اسی طرح پر اگر مشرقی پاکستان میں بجائے عربی حروف سنسکرت سے بنائے ہوئے بنگلہ حروف رائج کئے جائیں تو چوں کہ جغرافیائی حیثیت سے ترکی اور مشرقی پاکسنان ایک ہی طرح پر ہے اس لئے مشرقی پاکستان والوں سے بھی عالم اسلام کو کچھ فائدہ نہ ہوگا بلکہ بجائے فائدہ نقصان کا خوف زیادہ ہے پس نو نہال پاکستان کی فلاح خواہوں سے اپیل ہے کہ بوقت انتخاب عام زبان (راشٹر بھاشا) کے مسئلہ کو غور سے ملاحظہ فرمائیں ۔

ایک لمحۂ فکریہ

حضرت الحاج مولانا محمد عبداللہ الکافی القرشی صاحب
صدر اعلیٰ جمعیت اہل حدیث بنگال و آسام

مشرق پاکستان کی حالیہ قومی زبان کی تحریک کے متعلق جمیعت اہل حدیث بنگال و آسام کے صدر اعلیٰ حضرت الحاج مولانا محمد عبداللہ الکافی القرشی صاحب نے ۲۴ مارچ کو جو بیان دیا، اور ۳۰ مارچ ۱۹۵۲ع کو جمیعت کی مجلس عاملہ اور ارگنائزنگ بورڈ کے مشترک جلسہ میں جس کی حرف بحرف بالاتفاق تائید کی گئی ۔ وہ مندرجہ ذیل ہے ۔ واضح ہو کہ سب سے پہلے بنگلہ میں اس کو شائع کیا گیا ۔ اور اس کے بعد اُردو میں اس کی اشاعت ہوئی ۔

الحمد للہ اعلیٰ عبادہ الذین اصطفیٰ

تمہید

بنگلہ کو دولت پاکستان کی زبان کی حیثیت دلوانے کے لیے مشرق پاکستان میں جس تحریک نے جڑ پکڑی ہے اور فی الحال دارالسلطنت ڈھاکہ کو مرکز بناکر اس کی شدت تمام صوبہ میں جس طرح پھیلی اس کی رفتار اور نتائج جس قدر بھی نامبارک اور جگر دوز کیوں نہ ہوں، اس میں شک و شبہ کی گنجائش نہیں کہ اس تحریک کی حقیقی

علاقے میں تنگ نظری یا اردو سے الٰہی عداوت نہیں ۔
مشرقی پاکستان کے اکثر اخباری حضرات اور مشرق و مغربی
ہر دو حصے کے بعض عمائدین اس لسانی تحریک کی تصویر
[illegible] میں یہ نہایت [illegible] لانہ
اور [illegible] کرتے ہے ۔ یہ بالکل حماقت انگیز [illegible] رانہ
خیال ہے کہ تحریک کے چلانے والوں کے سر [illegible] ریاں
متذہ دیتے سے ہی مشرقی پاکستان میں لسانی تحریک کا
گلا دبایا جاسکے گا ۔ اس لیے کسی قطعی نتیجہ تک
پہنچنے سے پہلے مشرق پاکستان بنگلہ کو سرکاری زبان قرار
دینے کی تحریک (جو ایک ناقابل انکار حقیقت بن چکی ہے)
کے پس منظر کا غیر جانبدارانہ حیثیت سے بنظر غائر جائزہ
لینا ضروری ہے ۔

شروع ہی میں یہ کہدینا مناسب ہے کہ یہ فقیر
پاکستان میں اردو اور بنگلہ ہر دو زبان کو قومی حیثیت
دلوانے کا موید نہیں ہے اور اگرچہ بنگلہ کی حلاوت شیر
مادر کے قطروں کے ساتھ میرے جسم و روح کے ہر ذرہ
کو شیریں اور درخشاں بناچکی ہے تاہم محض اس بنا پر میں
اسے کل پاکستان کی قومی اور بین‌الملی زبان تسلیم کرنے
پر تیار نہیں ہوسکتا ۔ میں صرف یہ عرض کرنا چاھتا ہوں
کہ جن حالات اور جس فضا میں بنگلہ کو حکومت کی زبان
کی حیثیت دلوانے کی تحریک نے سر اٹھایا ہے ان کے تقاضوں
کے مدنظر میری قطعی رائے ہے کہ اس تحریک کو لغو
اور شر انگیز کہہ کر اڑا دینا ہرگز قرین انصاف نہ ہوگا ۔

(۱)

بر صغیر ہند میں مسلمانوں کی حکومت کے زوال تک فارسی کو سرکاری زبان کی حیثیت حاصل تھی ۔ غیر ملکی انگریزوں نے جب اس ملک کی حکومت کو ہتیا لیا اس وقت بادشاہ ہند سے انہوں نے یہ وعدہ کر لیا تھا کہ فارسی کی سرکاری نوعیت بہر حال قائم رکھی جائیگی لیکن اس وعدہ کا ایفا انگریزوں نے ضروری نہ سمجھا اور مسلمانوں کے سیاسی اقتدار کو کلیتاً ختم کر ڈالنے کا تہیہ کرلیا اور اچانک بڑی بیدردی سے فارسی کے بجائے انگریزی کو سرکاری زبان کی حیثیت دے دی ۔ زوال فارسی اور استیلائے انگریزی کی یہ خطرناک سازش اس طرح آناً فاناً عمل میں لائی گئی کہ بیک جنبش قلم مسلمانوں کی تقدیر بدل گئی اور ان کی حالت ایسی بدتر ہوئی کہ اس کی تاریخ ضرب المثل ہو کر رہ گئی ۔

پڑھے فارسی بیچے تیل
دیکھو یہ قدرت کا کھیل

انگریزی دورِ حکومت کی شام تک اس انقلاب کے افسوس ناک نتائج کی اصلاح ممکن نہ ہو سکی ۔ انگریزی دور میں مسلمانوں کی سیاسی اقتدار سے محرومی کی اصلی وجہ یہی ہے اور وہ جو علمائے کرام کے متعلق کہا جاتا ہے کہ وہ اس محرومی کے ذمہ دار ہیں سو یہ اتہام انگریزی حکومت کے ابتدائی دور کی تاریخ سے لاعلمی کا نتیجہ ہے ۔ اصل یہ ہے کہ اس وقت تک ملا اور مسٹر کی کوئی تقسیم مسلمانوں میں نہ تھی بلکہ اس زمانہ میں تعلیم یافتہ طبقہ سے علماء ہی مراد لیے جاتے تھے ۔ مختصر یہ کہ اس لسانی انقلاب کا نتیجہ یہ نکلا کہ مسلمان من حیث المجموع قلی مزدور اور پیادوں

کی اور هنود بلاواسطه حاکم اور بڑے بابوؤں کی جماعت بن گئی ـ

پاکستان ایک جمہوری ریاست متحدہ ہے اس کے قائم ہو جانے پر مشرقی پاکستان کے شہریوں نے فطرتاً یہ اُمید لگا رکھی تھی کہ انگریز اور هندوؤں کی صد ساله دوراجگی کا جو خمیازه ان کو بھگتنا پڑا تھا ۔ عنقریب اس کا ازاله هو جائیگا اور زمام حکومت سنبھالنے کی خدمت کا واجبی حصه ان کو واپس ملے گا اگر اُردو کو دفعتاً سرکاری زبان کی حیثیت دے دی جائے تو اس صورت میں مشرقی پاکستان کے تعلیم یافته طبقه کی اس جائز اُمید پر اوس پڑ جاتی ہے اور فارسی اچانک دور کرنے کی سازش کا جو نتیجه ایک صدی پہلے ظاهر هوا تھا اسی صورت حال کے اعاده کا خطره لاحق هو جاتا ہے ـ مشرقی پاکستان میں یوں هی قابل لوگوں کی کمی تھی ـ اس پر کچھ طرفدارانه تقررات کی وجه سے مقامی مسلمانوں کی تھوڑی بہت حق تلفی هوئی اب اُردو کے پرده میں مغربی پاکستان اور بھارت کے نام نہاد مہاجرین کی حکومت اور سرکاری مناصب کی اجاره داری قائم هو جانے کا خطره بالکل واضح هوگیا ـ

بنگله کو سرکاری زبان قرار دینے کے پس منظر میں جو خطرات اور شکایات پوشیده هیں ان سے کلیتاً اعراض قرین انصاف اور دانشمندانه طریقه نہیں ہے ـ

پاکستان کی سرکاری زبان کے متعلق ان پیچیدگیوں کے منظر شہید ملت لیاقت علی خان مرحوم نے اپنی وزارت عظمیٰ

کی مدت میں اس سوال کو الجھنے نہ دیا - ان کے جانشین موجودہ وزیر اعظم بنگالی ہونے کے باوجود اگر مشرق بنگال کے جذبات کو محسوس نہ کرسکتے تو اس میں کچھ زیادہ مضائقہ نہ تھا - اگر وہ زبان کے متعلق اپنے پیش رو کی پالیسی اور طریق کار پر کاربند رہتے اور مشرقی پاکستان کے خدشات و خطرات کا خاطرخواہ ازالہ کرنے کے علی الرغم استبدادی لب و لہجہ کے ساتھ آردو کو مشرق پاکستان میں ٹھونسنے کی دھمکی نہ دیتے تو بہت ممکن تھا کہ حالات اس قدر خطرناک اور مخدوش نہ ہوتے -

(۳) مشرقی پاکستان میں آردو کی مخالفت کا جذبہ پیدا ہو جانے کا ایک دوسرا سبب بھی ہے - صرف زبانی طور پر صوبائی عصبیت کی مذمت اور عالمگیر انسانیت اور اسلامی اخوت پر وعظ کہہ دینا آسان ہے لیکن یہ ایک امر واقعہ ہے کہ آردو والوں کا سلوک بنگالی مسلمانوں کے ساتھ ایسا رہا ہے جیسا حاکموں کا محکوموں کے ساتھ ہوتا ہے - قابل اور ذی اقتدار اشخاص تو درکنار، جنہیں علم و فضل اور اخلاقی محاسن کے اعتبار سے بنگال کے عام مسلمانوں کا مساوی درجہ حاصل نہیں - وہ بھی محض اس گھمنڈ پر کہ آردو کی ٹانگ توڑ لیتے ہیں مشرق پاکستان میں مسند شرافت پر متمکن ہونے کے آرزو مند رہتے ہیں - ان باتوں کا تفصیلی تذکرہ تکلیف دہ اور موجودہ ماحول میں کچھ غیر مناسب سا ہے - مشرق پاکستان کے لوگ چند سال تک ان بدسلوکیوں کے تختۂ مشق بنے رہے اور ان کی یہ کیفیت لسانی تحریک کے معاملے کو ناخوش گوار بنانے میں معین ہوئی - بھارت راشٹر کے جن شہریوں نے پاکستان کو نوکری اور تجارت کی منڈی بنا

رکھا ہے اور اصلی وطن جن کا آج تک بھارت ہی ہے وہ بھی مشرق پاکستان میں حکومت کرنے کے خواہش مند رہتے ہیں ۔ اردو والوں کے اس بیہودہ رویہ نے نفس اردو کے خلاف نفرت خیز جذبہ کا مواد مہیا کیا ہے ۔"

یہ فی الواقع ایک سچی بات ہے کہ جن صوبوں کے اشتراک سے پاکستان قائم ہوا ہے ، اردو ان میں کسی صوبہ کی زبان نہیں۔ پنجاب ، سندھ ۔ بلوچستان اور صوبۂ سرحد کی زبان علی الترتیب پنجابی ، سندھی یا گجراتی ، بلوچی اور پشتو ہے اسی طرح بنگلہ مشرقی پاکستان کی صوبائی زبان ہے ، مشرقی پاکستانیوں کی اکثریت کے باوجود بنگلہ محض ایک صوبائی زبان ہے ، لیکن اردو ہرگز صوبائی زبان نہیں ! وہ مغلوں کا پیدا کردہ یا ارسٹو کریسی یا بورژوا کی بھی زبان نہیں ، اردو کو صرف دلی ، لکھنؤ اور مضافات کی زبان قرار دینا ایک مجنونانہ بڑ ہے ۔ مسلمانوں نے برعظیم ہند میں ہندوؤں کے ساتھ مل کر جس مخصوص تمدن کی بنیاد ڈالی تھی ، اردو زبان اور اس کا ادب اسی کا حامل ہے ، اردو کی ترقی میں بنگال کے مساعی سرحد ، بلوچستان اور سندھ سے کسی اعتبار سے بھی کم نہیں ۔ دو سو سال پیشتر اعلیٰ تعلیم یافتہ طبقہ اور نام نہاد شرفا کو اردو سے کوئی تعلق نہ تھا ۔ مختلف ممالک ، صوبوں اور علاقوں کے باہمی میل ملاپ اور تبادلۂ افکار و آرا کے ذریعہ اس اردو کی پیدائش ہوئی اور متوسط طبقہ کے تعلیم یافتہ مسلمانوں کے ہاتھوں اس کی تربیت ہوتی رہی ۔ بنگال کے نو مسلم طبقات کو اردو ہی کے توسط سے اسلام کے ساتھ شناسائی حاصل ہوئی تھی گذشتہ ادوار میں آزادی اور اصلاح کی

تمام اسلامی تحریکیں آردو ہی کے ذریعہ بنگال میں داخل ہوئیں۔
سب سے پہلے آردو مطبع کلکتہ میں قائم اور اولین آردو اخبار بنگال سے شائع ہوا اور نواب اودہ کے آخری دربارمیں بنگال کے شاعروں نے ملک الشعرائی کی ۔ برعظیم ہند کی مشہور ترین تحریک اہل حدیث کے روح اعظم حضرت علامہ و مجدد اسمعیل شہید ، جماعت مجاہدین برعظیم ہند کے اولین سپہ سالار فرفرادی جون پوری اور دیوبندی گدی نشینوں کے پیر و مرشد امیر سید احمد بریلوی اور ان کے استاد حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی رضی اللہ عنہم کی کتابیں سب سے پہلے بنگال میں مطبوع ہوئیں ۔

ورنا شر دھرمی

بنگلہ زبان ایک ترقی یافتہ ، مالا مال اور شیریں زبان ہے لیکن یہ فراموش نہ کرنا چاہئے کہ جس بنگلہ کو لے کر یہ ہنگامہ آرائی ہو رہی ہے وہ شمالی یا مشرقی بنگالہ کی زبان نہیں ۔ اگر چہ آردو کی طرح بنگلہ کا جنم بھی عوام‌الناس ہی میں ہوا لیکن پچھلے دور میں اس کی نشو و نما اور ترقی ورنا شرمی اعلیٰ طبقہ کے ہندوؤں کے ذریعہ ہوئی اس لیے دیگر اقوام و ممالک حتیٰ کہ خود مسلمان کے قومی اور تمدنی نظریات و افکار کے لیے بنگلہ میں کوئی قابل ذکر جگہ موجود نہ رہی ۔ جس وشنو لٹریچر پر اس قدر ناز کیا جاتا ہے وہ از فرق تا بقدم غیر اسلامی وحدت وجود ، مادہ پرستی ، شرک اور الحاد کے بدبودار زخموں سے چور چور ہے خود ٹیگور کا کلام بھی ان نقائص سے پاک نہیں ۔ انگریزی عملداری میں بنگال کا جدید تعلیم یافتہ طبقہ بتدریج ہندو تہذیب و تمدن کا زیر نگیں ہوگیا ۔ اور اس کی وجہ سے ، ایک طرف خود

کے بنگلہ ادبیات اسلامی نظریات و افکار سے خالی ہوگئے ، معاً دوسری طرف اسی واحد علت کی بنا پر پاکستان کے دیگر صوبوں کی طرح بنگال میں اردو کی عام ترویج نظر نہیں آتی ۔ یہ حالات اگرچہ افسوسناک ہیں ، لیکن ان کے انکار سے کیا فائدہ ؟ اب اگر اردو کو فوری طور پر سرکاری زبان کا رتبہ دے دیا گیا ، تو بہ نسبت سرحدیوں ، پنجابیوں اور سندھیوں کے بنگلہ والوں کو بہت زیادہ دقتوں کا سامنا ہوگا ۔ مشرقی پاکستان کے ان مخصوص حالات و مشکلات کو نظر انداز کرتے ہوئے مغربی پاکستان کے جو اخبارات اور عمائدین محض بنگلہ کی ضد میں آ کر پشتو وغیرہ کو سرکاری حیثیت دلوانے کی دھمکی دیتے ہیں ، ان کی ذہنیت وحدت پاکستان کی بقا کے لیے سم قاتل ہے ۔ جس کی جو مشکلات ہیں ، طاقت کے گھمنڈ پر اگر انہیں در خور اعتنا نہ سمجھے جائیں تو کیا محض لفاظی اور غیر ہمدردانہ عبارت آرائی سے پاکستان کی سالمیت قائم رہ سکے گی ؟

میں کامل غور و خوض کے بعد پوری بصیرت کے ساتھ اس نتیجہ پر پہنچا ہوں کہ کل پاکستان میں صرف اردو ہی کے لیے قومی زبان حیثیت تسلیم کر لینی چاہئیے ۔

یہ عربی کی طرح غیر ملکی اور اجنبی نہیں ، نہ اس میں مہارت پیدا کرنی عربی کی طرح مشکل ہے اور نہ بنگلہ کی طرح یہ غیر اسلامی افکار و مصطلحات کا گنجینہ ، بلکہ تدریجاً بنگلہ کے بعض مصطلحات و الفاظ مثل ہندی و پراکرت نہایت آسانی سے اردو میں داخل کئے جا سکتے ہیں ۔ دہلوی اردو اور سرحدی اردو کے مابین زبردست اور محسوس تباین کے باوجود اگر دونوں زبانیں اردو کہلا سکتی ہیں تو لاہور اور ڈھاکہ کے

درمیان فاصلہ اور فرق تلفظ کے باوجود دونوں جگہوں کی اردویت کیوں مسلم نہ ہوگی ؟ زیادہ سے زیادہ یہ کہا جا سکتا ہے کہ وہ مغربی اردو ہوگی اور یہ مشرقی ! لیکن زبردستی اور فی الفور اردو کو مشرقی پاکستان کے سر تھوپنے کی سازش بہرحال برداشت نہیں کی جا سکتی اولاً اس کو حتی الامکان سہل اور سلیس بنانے کی کوشش لازمی ہوگی، پھر تدریجاً اس کو آگے بڑھانے کا سائنٹفک طریقہ اس طرح اختیار کرنا پڑے گا تاکہ مشرقی پاکستان کے واجبی حقوق کسی اعتبار سے بھی تلف نہ ہونے پائیں اور ہماری قومی زندگی میں اردو بے تکلفانہ اپنی جگہ حاصل کرلے ۔ اس کے ساتھ ھی بنگلہ کو صوبہ کی سرکاری زبان کی حیثیت دینا اور مشرقی بنگال کے تمام سرکاری عہدہ داروں کے لیے بنگلہ کو لازمی کرنا ضروری ہوگا ۔

بنگلہ کو اردو کی مساوی حیثیت دلانے کی کوشش کے وعدہ پر جو لوگ پھولے نہیں سماتے ان کا ارادہ معلوم کرنا آسان نہیں ۔ اس قسم کا دعوا اور وعدہ اردو اور بنگلہ دونوں سے غداری کا مرادف ہے ۔ میرے خیال میں اس طریقہ سے پاکستان میں انگریزی کی حاکمیت غیر معلوم مدت تک قائم ہو جائے گی ۔ بنگلہ کی ناک کاٹ کر اردو کو منحوس بنانے کا یہ انوکھا طریقہ جو لوگ اختیار کرنا چاہتے ہیں ان کی جمہوریت ، دوربینی اور بنگلہ نوازی پر عش عش کئے بغیر کوئی چارہ نہیں ۔ لسانی تحریک کا اگر یہی نتیجہ ہو تو افسوس کے ساتھ کہنا پڑے گا کہ یہ تحریک پاکستانی عوام کے حقوق کے بجائے مٹھی بھر انسانوں کے مفاد کا تحفظ کرنے میں ممد و معاون ہوئی اور پاکستان میں انگریزی زبان اور تمدن کو دوامی بندوبست دینے کا راستہ کشادہ کیا

سرکاری زبان

(از ڈاکٹر ابو ظفر محمد طاہر صاحب ۔ ڈھاکہ)

سرکاری زبان کے مسلہ پر ہم ذیل میں ایک خالص بنگالی بزرگ کا مضمون چھاپ رہے ہیں ۔ مضمون کے مطالعے سے ظاہر ہو جائے گا کہ بنگال میں بنگلہ کی شورس صحیح الفکر اصحاب کے نزدیک کیا حیثیت رکھتی ہے ۔ اور اس غیر حقیقی تحریک کو خود بنگال کے ارباب علم و نظر کس نظر سے دیکھتے ہیں ۔

(مدیر)

سرکاری زبان سے متعلق بہت سے مضامین ، مقالے اور مراسلے نظر سے گذرے ۔ لیکن ایک حل طلب نگاہ کی پریشانیاں ہنوز بدستور ہیں بلکہ زیادہ خرابی کی بات یہ پیدا ہوگئی ہے کہ معاملہ درست ہونے کی جگہ اب ضد اور ہٹ پر آکر اڑ گیا ہے چاہیے تو یہ تھا کہ سب مل کر کافی غور و خوض کے بعد کسی نتیجہ پر پہنچنے کی کوشش کرتے ۔ ضد اور ہٹ سے کام لینا نہ صرف ایک طبقے بلکہ پورے پاکستان کے لیے سخت ترین بدنصیبی کی بات ہے ۔

بنگلہ کے حامیوں کا مطالبہ ابتداءً یہ نہ تھا کہ پورے پاکستان کی زبان بنگلہ ہو جائے بلکہ وہ صرف مشرقی پاکستان کی صوبائی زبان بنگلہ چاہتے تھے ۔ نیز جہاں تک مجھے معلوم ہے وہ اس پر بھی اتنا مصر نہ تھے ۔ جتنا کہ آج ہیں جوں ، جوں

ضد بڑھتی گئی ان کا مطالبہ بھی دو قدم آگے ہی بڑھتا گیا ۔ یہ فطری تقاضا تھا کہ دیکھا دیکھی دوسرے صوبہ والے بھی لگے ہاتھ اپنی اپنی زبان کو قومی زبان منوانے کے دعاوی پیش کر بیٹھے اور اس لحاظ سے وہ حق بجانب بھی ہیں ۔

سردست تین جماعتیں اس کشمکش میں بہت ہی پیش پیش نظر آتی ہیں (۱) اردو کے حامی (۲) بنگلہ کے حامی (۳) وہ بزدلے جو محض بیچ بچاؤ کرنے کے خیال سے اردو اور بنگلہ دونوں کو قومی زبان بنانے کی سفارش کرتے ہیں ۔ خدا نخواستہ اگر اسے مان لیا گیا تو پھر کیا وجہ ہے کہ سندھی ، پنجابی ، پشتو اور بلوچی کو بھی سرکاری زبان نہ مان لیا جائے ؟ اور نصیب دشمناں اگر ایسا ہوگیا تو کیا پھر آپس کی منافرت اجنبیت بڑھتے بڑھتے پورے پاکستان کے ٹکڑے نہ کر ڈالے گی ؟ اس کے علاوہ سردست پاکستان کو زیادہ سے زیادہ ہنرمندوں اور ماہرین کی ضرورت ہے ۔ اب اگر ایک طالب علم کو کئی کئی زبانیں سیکھنے کے جھگڑے میں ڈال دیا جائے تو کیا وہ غریب خود ہی زبانوں کے سمندر میں ڈوب کر رہ نہ جائے گا ؟ اسے علوم و فنون کی طرف توجہ کرنے کی مہلت ہی کہاں ملے گی ۔ اس کی دولت قوت اور وقت سب کا سب زبان ہی کی تحصیل میں ختم ہوکر رہ جائیگا ۔

اس کا صحیح اندازہ یوں کیا جا سکتا ہے کہ ہندستان بھر میں علیگڑھ کی مسلم اور بنارس کی ہندو یونیورسٹیاں اپنی تمام ہمہ گیریوں کے باوجود دنیا میں وہ نام پیدا نہ کرسکیں جو حیدرآباد کی عثمانیہ یونیورسٹی کو حاصل ہے ۔ اس کا سبب اس

کے سوا اور کیا ہو سکتا ہے کہ عثمانیہ یونیورسٹی میں دنیا بھر کے علوم و فنون صرف ایک زبان "آردو" کے ذریعہ سکھائے جاتے تھے۔ نتیجہ یہ ہوتا تھا کہ لڑکے بہت تھوڑے وقت میں کافی استعداد حاصل کر لیتے تھے۔

لہذا کئی زبانوں کے حامیوں کا یہ خیال کہ ایک میان میں دو تلواریں رکھی جائیں غلط اور ناممکن العمل ہے۔ پورے ملک میں یکسانی، یگانگت اور یک رنگی پیدا کرنے کے لیے قومی زبان بھی ایک ہی ہونی چاہیے۔

اب رہے وہ لوگ جو آردو یا بنگلہ کے حامی ہیں میرے خیال میں قصوروار اردو والے ہی ہیں اس لیئے کہ اردو کی ہمہ گیری سے انہوں نے پورے ملک کو آسنا کرنے کی ہنوز کوئی کوشش نہیں کی۔ میری حیرت کی انتہا نہ رہی جب میں نے ایک نشست میں یہ معلوم کیا کہ ایک کالج کا طالب علم اور یہ نہیں جانتا کہ عثمانیہ یونی ورسٹی میں انتہائی تعلیم بھی اردو ہی میں ہوتی تھی۔ نیز ڈاکٹری، قانون، انجنیرنگ اور دنیا بھر کے علوم و فنون کی کتابیں آردو میں موجود ہیں۔

یہ ایک حقیقت ہے کہ چند ایمان فروش اور قوم دشمنوں کے سوائے شاید ہی کوئی پاکستانی ایسا ہو جو پاکستان کو بام عروج اور مقام ترقی پر دیکھنا نہ چاہتا ہو۔ پھر کیا وجہ ہے کہ اچھے اور برے کی تمیز مٹا دینے کے بعد محض صوبائی تعصب یا ضد کی وجہ سے وہ اپنی راہ میں آپ ہی روڑے اٹکانے کا باعث بنے۔

کوئی نہیں ہے کہ اپنا بدن آپ ہی کاٹتا پھرے لیکن جب مریض کو معلوم ہو جاتا ہے کہ آپریشن ہی اس کے مرض کا صحیح علاج ہے تو پھر خود ہی برضا و رغبت تیار ہوجاتا ہے۔ ٹھیک اسی طرح اگر بنگلہ کے حامیوں کو اردو کے محاسن معلوم ہوجائیں تو پھر ناممکن ہے کہ وہ اس کے لیے پوری جرات اور ہمت سے تیار نہ ہو جائیں۔

میں اس کا کسی حالت میں قائل نہیں کہ ملک میں کئی کئی زبانیں رائج ہوں۔ ہندستان میں انگریزوں کی کامیابی اور ہندستانیوں کی تباہی کا سب سے بڑا راز اسی " پھوٹ ڈالو اور حکومت کرو" میں ہے۔ لہذا زبان کوئی بھی ہو مگر ہونی ایک ہی چاہیے۔ تاکہ تھوڑے خرچ، کم مدت اور معمولی محنت میں قوم جلد سے جلد ترقی پذیر ہو سکے۔

پاکستان کے دونوں ٹکڑوں کو قریب سے قریب تر اور ایک رشتے میں لانے کا ذریعہ اور پاکستان کی سالمیت کو برقرار رکھنے کی ضامن اردو اور صرف اردو ہے۔

پاکستان کو اسلامی ریاست بنانے کا مطالبہ اگر ڈھونگ نہیں بلکہ حقیقت ہے تو زبان بھی ہمیں ایسی اختیار کرنی چاہیے جو اسلامیات کے خلاف نہیں بلکہ موافق ہو۔ بدقسمتی سے بنگلہ زبان کا سلسلۂ نسب نہ صرف ہندوانہ ہے بلکہ اس کی پرورش و پرداخت بھی ہندوانہ آغوش ہی میں ہوئی ہے۔ اس لیے اس کا سارا سرمایہ ہندوانہ عقیدت اور ہندوانہ تہذیب و تمدن کا حامل ہے نورالامین صاحب کی تفریق " ہندوانہ بنگلہ " اور " اسلامی بنگلہ "

میرے خیال میں غیر حقیقی ہے انہوں نے بلا سمجھے بوجھے گھڑدیا ہے۔ اس زبان کی بعض بنیادی کمزوریاں ایسی ہیں جنہیں قیامت تک دور نہیں کرسکتے۔

مثلاً عربی میں ث، س، ش اور ص چار حروف ہیں اور ہر ایک کی آواز بھی مختلف ہے۔ بخلاف اس کے بنگلہ میں بھی ان کے مترادف چار یہی حروف ہیں لیکن تلفظ ایک ہی ہے۔ ح، خ، ذ، ز، ض، ط، ظ، ع، غ، ف، ق، و وغیرہ حروف تو سر سے موجود ہی نہیں۔ اب بتائیے کہ ایک اسلامی ریاست کی قومی زبان میں قرآنی حروف تہجی آدھے کے قریب غائب ہوں تو باقی کیا رہ جائے گا؟

اعراب کی طرف آئیے۔ حرفوں کو حرکت دے کر ہلکی آواز پیدا کرنے کے لیے زیر، زبر اور پیش لگاتے ہیں۔ زیادہ واضح کرنا ہو تو کھڑا زبر، کھڑی اور الٹی پیش لگاتے ہیں۔ اس سے زیادہ کھینچ کر پڑھنے کے لیے مد استعمال ہوتا ہے۔ مجہول اور معروف کی تمیز الگ رکھی گئی ہے۔ بخلاف اس کے بنگلہ میں صرف تین حرکتیں مجہول و معروف کی ترکیب کے مطابق مستعمل ہیں۔ اب ذرا مشکلات بھی ملاحظہ فرمائیے۔ ”اعوذ باللہ من الشیطن الرجیم“ اگر بنگلہ میں لکھنا پڑے تو یوں لکھنا ہوگا۔ او، او، ج۔ بی ل، لا، ہے۔ ہے، ناش، شوئی نا، ن ر، روجیم۔ کیا میں بنگلہ کے حامی بھائیوں سے پوچھ سکتا ہوں کہ وہ جانتے ہوئے بھی اپنے مقدس قرآن کی یہ توہین برداشت کرلیں گے؟ صرف یہی نہیں بلکہ اور بھی مثالیں

ملاحظہ ہوں جہاں صرف توہین ہی نہیں بلکہ صریحاً کفر لازم آتا ہے ۔ مثلاً الحمداللہ (تمام حمد و ستایش خدا ہی کے لیے ہے) اسے بنگلہ میں یوں لکھنا ہوگا : ۔ ال ، ھام ، دو ۔ لی ل ، لا ۔ ہے ۔ اس میں اعراب کی خرابیوں کے علاوہ سب سے بڑی برائی یہ پیدا ہوگئی کہ ہائے حطی نہ ہونے کی وجہ سے ہائے ہوز لکھنا پڑا اور ھام کے معنی تپش ، سوزش ، جلن اور اصطلاحاً جہنم بھی ہیں ۔ اس لیے اس کا ترجمہ نعوذ با اللہ '' جہنم خدا کے لیے ہے ،، کرنا پڑے گا ۔ آگے بڑھئیے ۔ اسی سورۂ شریف میں '' انعمت علیہم ،، (تو نے جن لوگوں پر انعامات کئے) ۔ میں عرض کر چکا ہوں کہ اس زبان میں زبر سرے سے موجود ہی نہیں ہے ۔ اس لیے یا انعمتا لکھنا ہوگا یا انعمت لکھنا ہوگا ۔ پہلی صورت میں ترجمہ '' ان دو عورتوں نے جن لوگوں پر انعامات کئے ،، اور دوسری صورت میں '' میں نے جن لوگوں پر انعامات کئے ،، ہوگا ۔ نعوذ بااللہ دونوں صورتوں میں نہ صرف کفر بلکہ شرک بھی لازم آتا ہے ۔ خدا تمام مسلمانوں کو ان خرافات سے بچائے ۔ آمین ۔

ممکن ہے کوئی یہ کہدے کہ بنگلہ حرفوں میں قرآن لکھنے ہی کیوں لگے ۔ مگر یہ جواب نہ صرف مہمل بلکہ جہالت پر مبنی ہے ۔ ظاہر ہے کہ سرکاری زبان میں سبھی کچھ کرنا پڑتا ہے اور انگریزی کی مثال نظر کے سامنے ہی موجود ہے ۔

اب آئیے ناموں کی طرف ۔ پاکستان کو پاکِسْ تان لکھنا ہوگا ۔ مسلم کو موسْلِیم ۔ اسلام کو ایسْلام لکھنا ہوگا ۔

اسی طرح حاجی ناظم الدین کو ھاجی ، ناجی ، مود دین لکھنا ھوگا - ذرا اس کے بھی معنی پر غور فرمائیے - حائے حطی نہ ھونے کی وجہ سے ھائے ھوز سے لکھنا پڑا - اور ھاجی کے معنی ھجو کرنے والا - ناجی کے معنی نکلا ھوا - مود کے معنی محبت یعنی دین کی محبت سے نکل کر دین کی ھجو کرنے والا -

اسی طرح آپ اگر کسی کو قرآنی جنت سمجھانا چاھیں تو اس کا بنگلہ ترجمہ " شور گو " کرنا ھوگا - ھندو چوں کہ حشر و نشر کو اسلامی طریقہ کے مطابق نہیں بلکہ تبدیل قالب کی شکل میں آوا گون کے ماتحت مانتے ھیں اس لیے کتے کا بکری کی شکل میں بدل جانے کا ھی نام جنت ھوگیا - وغیرہ وغیرہ -

کیا کوئی جرأت کر سکتا ھے کہ وہ بنگلہ زبان کو ان خطرناک اور ایمان کش دشوار گذار کھاڑیوں سے نکال کر منزل مقصود تک پہنچا لے گا ؟

مزید برآں یہ دعویٰ کہ بنگلہ پاکستان کی اکثریت کی زبان ھے - ایک حماقت سے کم نہیں (۱) پاکستان پانچ صوبوں پر مشتمل ھے - جن میں چار صوبے آردو اور بنگالہ کے بعض لوگ بنگلہ چاھتے ھیں - (۲) بنگالہ کی پوری آبادی کو اگر پانچ حصوں میں منقسم کیا جائے تو زیادہ سے زیادہ دو حصہ بنگلہ کا حامی بن سکتا ھے - پورے ایک حصہ کی مادری زبان بھی آردو ھوگی ایک حصہ اچھوتوں کا ھے جو بنگلہ نہیں بلکہ مختلف زبانیں بولتے ھیں - ایک حصہ ان لوگوں کا ھے جو اردو اور بنگلہ دونوں بولتے ھیں مگر ترجیح آردو کو دیتے ھیں -

میں نہ صرف بنگالی ہوں بلکہ مجھے بنگالی ہونے پر ناز بھی ہے ۔ اس کے باوجود بھی میں کسی حالت میں پسند نہیں کر سکتا کہ صرف زبان کی خاطر پاکستان کو تباہی اور بربادی کے قعر مذلت میں ڈال دوں ۔ اور اگر بنگلے کو سرکاری زبان بنا دیا گیا تو یقیناً وہ دن دور نہیں جب پاکستان کی دھجیاں بڑی ہی بے بسی کی حالت میں فضائے آسمان کی سخت و تند ہواؤں میں اڑتی نظر آئیں گی ۔

بخلاف اس کے اردو پورے پاکستان کی سالمیت اور وحدت کی ضامن ہے ۔ اس پر نہ سندھیوں کو نہ پنجابیوں کو اور نہ سرحدیوں کو اعتراض ہے ۔ پھر کیا وجہ ہے کہ صرف ایک صوبہ کے اعتراض سے متاثر ہوکر اور چند شورش پسندوں سے مرعوب ہو کر ہم وہ کام کر بیٹھیں جس سے نہ صرف ہمارے دشمنوں کے ہاتھ مضبوط ہو جائیں بلکہ اپنا ہی گلا دبوچنے میں ہم انہیں آسانیاں بہم پہنچائیں ۔

اردو کی تعلیم بھی روز اول ہی سے اسلامیات کا حامل بنا دیتی ہے ۔ اللہ میاں کا پورا خزانہ اس زبان میں موجود ہے ۔

تمدنی ضرورتوں کی تمام چیزیں اس میں موجود ہیں ۔ تاریخ ، جغرافیہ ، سائنس ، ادب ، حکمت ، فلسفہ ، منطق ، ڈاکٹری ، انجینرنگ ، قانون غرض کہ ہر علم و فن کا ذخیرہ نہایت ہی بہتات کے ساتھ اس زبان میں موجود ہے ۔ بخلاف اس کے نہ صرف بنگلہ ہندوستان کی کوئی بھی زبان ایسی نہیں ہے جو اس کے پاسنگ برابر بھی ہو ۔

مسلم لیگ کی ابتدا اسی ڈھاکہ میں سرسید اور نواب سلیم اللہ کے ھاتھوں اُردو ھی سے ھوئی ۔ سنہ ۱۹۲۶ع میں اس کی تجدید سر آغا خان نے اُردو ھی سے کی ۔ ۱۹۳۵ع قائد اعظم نے اُردو ھی سے اس کی بولساک بدلی ھے ۔ آل انڈیا مسلم لیگ نے بھی اُردو ھی کو قومی زبان مانا ۔ پھر کیا وجہ ھے کہ پاکستان بن جانے کے بعد آج نئی شورش پیدا کی جا رھی ھے ۔ قائد اعظم کی زندگی میں جب بنگلہ کا سوال ھوا تو ڈھاکہ پلٹن کے میدان میں انھوں نے صاف لفظوں میں کہدیا کہ ”پاکستان کی زبان اُردو اور صرف اُردو ھوگی جو اُردو کے خلاف ھے وہ پاکستان کا دشمن ھے“ ۔ کیا یہ قائد اعظم سے غداری نہیں ھے ؟ کیا یہ پوری قوم سے غداری نہیں ھے ؟ کیا یہ بنگلہ کا شور مچانے والے بھارت کے جاسوس نہیں ھیں ؟ کیا یہ ھندو آقاؤں کو خوش کرنے والے متحدہ بنگال کے خواب کو عملی جامہ پہنا کر پاکستان کے پرخچے اڑانے کے درپے نہیں ھیں ؟

یقیناً ھر پاکستانی کا قومی ، ملی اور مذھبی فریضہ ھے کہ وہ اس فتنہ کو پوری طاقت کے ساتھ اس طرح کچل کر رکھدے کہ قیامت تک اسے سر اٹھانے کی جرات ، ھمت اور مقدرت نصیب نہ ھو ۔

اللھم اھد قومی فانھم لا یعلمون

کیا بنگلہ زبان اُردو سے بہتر ھے ؟

(از جناب ڈاکٹر ابو ظفر محمد طاہر صاحب ڈھاکہ)

★

زبان کے اختلافات پر غور کرنے والے اب تک جس نتیجہ پر پہنچ سکے ھیں، وہ اس فرق کے دو ھی اسباب پیش کرتے ھیں ۔ پہلا سبب یہ کہ " ہر بارہ میل کے فاصلہ پر آب و ھوا کے اثرات میں تبدیلی ھونے کی وجہ سے لب و لہجہ، تلفظ اور ترکیبوں میں فطری طور پر کچھ نہ کچھ فرق پیدا ھو ھی جاتا ھے نیز یہی فرق بڑھتے بڑھتے ایک نئی زبان کی شکل اختیار کرلیتا ھے "، دوسرا سبب جسے وہ بہت ھی زیادہ اھمیت دیتے ھیں وہ " نسلی امتیاز " ھے لیکن سمجھ میں نہیں آتا کہ نسلی امتیاز کے ماننے والے ایرین اور ڈراویڈین تک ھی پہنچ کر خاموش کیوں ھوجاتے ھیں ۔ کیوں نہیں ذرا آگے بڑھ کر حضرت آدم ھی کی زبان پر اس کا فیصلہ چھوڑ دیتے، جس کے بعد نسلی امتیاز کی گنجائش ھی باقی نہیں رھتی ۔

اگر مان لیا جائے کہ زبان کے فرق کا دار و مدار نسلی امتیاز پرھی ھے تو پھر کیا وجہ ھے کہ وھی ایرین جرمنی پہنچ کر اس کثرت سے ش، خ اور ف کا استعمال شروع کر دیتے ھیں کہ سماعت پر بار گزرنے لگتا ھے اور جب بنگالہ پہنچتے ھیں تو ح، خ، ذ، ز، ض، ط، ع، غ، ف، ق، اور و کی آواز ادا

کرتے ہیں معلوم ہوتا ہے کہ ان کا گلا گھٹ رہا ہے۔ پھر اسی بنگالہ کے ساحلی علاقے چاٹگام جاتے ہیں تو ہزاروں کوششوں کے بعد بھی کھانا کی جگہ " خانا " ہی کہیں گے۔ اسی طرح جنوبی ہند کے ساحلی علاقے (مدراس) والے کیا مجال کہ خیوم اور خادر کی جگہ قیوم اور قادر کہہ دیں۔ پھر وہی بنگالی یا مدراسی کچھ دن تک باہر رہنے کے بعد ایسے ہوجاتے ہیں کہ زبان سے اُن کی وطنیت کا اندازہ لگانا محال ہوجاتا ہے۔

یہی وہ نکات ہیں جن پر غور کرنے کے بعد مان لینا پڑتا ہے کہ زبان کا اختلاف نہ فاصلے کی وجہ سے ہے نہ اس کا دار و مدار نسلی امتیاز پر ہے، یہ محض آب و ہوا ہے جس کی وجہ سے یہ اختلاف خود بخود پیدا ہوکر ہی رہتا ہے۔ ایک ہندستانی اور ایک انگلستانی دونوں کے قد و قامت، رنگ روپ، وضع قطع حتیٰ کہ دونوں کی طبیعت میں بھی اختلاف پیدا کر دیتی ہے، جب ظاہری اور باطنی اختلاف کا یہ عالم ہو تو پھر کیسے ممکن ہوسکتا ہے کہ اُس منہ سے نکلی ہوئی آواز ایک سی ہوجائے۔

دنیا کی آب و ہوا کے نقشے میں ہم بڑی آسانی کے ساتھ دیکھ سکتے ہیں کہ جن دو مقامات کی آب و ہوا آپس میں مماثلت رکھتی ہے، نہ صرف وہاں کے لوگوں کی آوازیں آپس میں ملتی جلتی معلوم ہوتی ہیں بلکہ طبیعتیں بھی ایک جیسی ہوا کرتی ہیں۔ اب رہے الفاظ تو الفاظ کی تراش خراش کو زبان کے لیے ہی اختلاف پر محمول کرنا کسی حالت میں بھی صحیح نہیں اس لیے کہ آواز پہلی چیز ہے اور الفاظ ملکی رسم و رواج، تہذیب و تمدن اور مذہبی ضروریات کے مطابق وضع کر لیے جاتے ہیں۔

لہٰذا یہ ایک ناقابل انکار حقیقت ہے کہ زبان کے اختلافات کا اصل سبب آب و ہوا کے اثرات ہیں ۔ اور ہر ملک کی زبان وہی ہوگی جس کا وہاں کی تہذیب تمدن اور مذہب متقاضی ہوگا ۔

ہندستان چونکہ ہمیشہ سے بت پرست رہا ہے، اس لیے یہاں کی پرانی ادبی زبان سنسکرت اور سنسکرت سے نکلی ہوئی پالی ہندی، بنگلہ اور اسی طرح کی جتنی زبانیں یہاں بولی جاتی ہیں سب کی سب بت پرستی کی حامل رہی ہیں ۔ ان میں ایک بھی زبان ایسی نہیں ہے جو توحید پرستی کے کام میں لائی جا سکے اور نہ یہ زبانیں موحدانہ سانچوں میں ڈھالی جا سکتی ہیں ۔ ایک نہیں متعدد بار ایسی کوششیں ہو چکی ہیں اور ہمیشہ نہ صرف ناکامی بلکہ شدید نقصان اٹھانا پڑا ہے ، اب دیکھیئے نورالامین صاحب اینڈ کمپنی کی کوشش کیا دکھائے ۔ خیر ۔

ہم اگر قسم کھائے بیٹھے ہیں کہ اپنے متقدمین کو ہر حال میں بیوقوف ہی سمجھ کر رہیں گے تو یہ اور بات ہے ورنہ تاریخ شاہد ہے کہ مسلمان جب عرب سے نکلے سب سے پہلے فارس پہنچے ، فارسی زبان میں چونکہ اسلامیات قبول کرنے کی اہلیت پوری طرح موجود تھی اس لیے انہوں نے اس زبان کو بدلنے کی کوئی ضرورت محسوس نہیں کی ، بخلاف اس کے جب وہ ہندستان پہنچے تو سب سے پہلے انہوں نے یہاں کی مروجہ زبانوں کی جگہ فارسی زبان کو رائج کرنا ہی ضروری سمجھا ، پھر بعض ضرورتوں کے پیش نظر وہ اس دھن میں رہے کہ یہاں ایک ایسی زبان رائج کی جائے جو اسلامیات کی پوری طرح حامل بھی ہو اور یہاں کی تمدنی ضرورتوں کی بھی کفیل بن سکے ۔

یعنی جس میں ٹ ، ڈ ، ڑ ، اور حروف مرکبات بھ ، پھ ، وغیرہ بھی موجود ہوں ۔ چنانچہ انہی وجوہ کے پیش نظر اردو کی بنیاد ڈالی گئی اور اس قدر ترقی پذیر ہوئی کہ آج دنیا کی تمام زبانوں میں ایک بہترین زبان کہلانے کی پوری طرح مستحق ہے ۔ یہ جغرافیائی قیود اور آب و ہوا کے اثرات سے بالکل محفوظ ہے ۔

ہندستان کے دوسرے صوبوں کی طرح بنگال بھی چونکہ ہمیشہ سے بت پرستی کا حامل رہا ہے اس لیے یہاں بھی پہنچنے کے بعد مسلمانوں کو فوری طور پر بنگلہ کی جگہ فارسی اور اردو رائج کرنی پڑی ، جس کا سب سے زیادہ فائدہ مذھب کو حاصل ہوا ، لوگ مسلمان ہوئے اور اس کثرت سے مسلمان ہوئے کہ پورے ہندستان میں پنجاب کے بعد بنگالہ ھی کا نام پیش کیا جا سکتا ہے ۔ لیکن برا ہو تعصب کا کہ اگر یہ نہ ہوتا شاید ڈھونڈے سے بھی آج بنگالے میں بت پرستی کا نام لینے والا نہیں مل سکتا تھا ۔

اسلام کا آفتاب عالم تاب طلوع ہوا اور ایسی ضیا پاشی ہوئی کہ پورا ماحول بقعۂ نور بن گیا ۔ اس کی کرنیں اب بنگالہ کی دیواروں سے پار ہوکر اردگرد کے ظلمت کدوں کو منور کرنے لگیں ۔ مگر روئیے اپنے نصیب کو کہ نمرد سرکشی اور خود غرضی بھی اس آب و ہوا میں پوری طرح شامل تھی ۔ یہاں کے نوابوں اور گورنروں نے تو مرکز کی مخالفت کی لیکن یہ بھی عجیب بات ہے کہ مرکزی حکومت کی طرف سے جو لوگ ان کی سرزنش کے لیے بھیجے گئے یہاں کی آب و ہوا میں تھوڑے ھی دن سانس لینے کے بعد وہ

خود بھی غداری کر بیٹھے - آپ جانتے ہیں کہ ان گذشتہ تباهیوں کا پیش خیمہ کیا تھا ؟ وهی آواز تھی جو آج پھر بلند ہوئی ہے - یعنی ,, بنگلہ کو سرکاری زبان مان لیا جائے ،، مان لیا گیا - لیکن اس زبان میں اتنی وسعت کہاں تھی ؟ اس لیے کہ وہ مرکز کو تو چھوڑ سکتے تھے لیکن مذهب کو کیسے چھوڑ دیتے ؟ چنانچہ اردو اور فارسی کے الفاظ شامل کرکے بنگلہ کو بڑھانا شروع کیا گیا - ان گنت روپے خرج کئے گئے - اور نہ اس کوشش کا نتیجہ ہے کہ آج بھی تمام دفتری نام مثلاً عدالت ، کچہری ، منصف ، وکیل ، قبالہ دستاویز وغیرہ یا روزمرہ میں هاتھ ، ناک ، کرتا ، پاجامہ وغیرہ قریب تیس فیصدی الفاظ اردو اور فارسی کے اس نام نہاد اسلامی بنگلہ میں پائے جاتے ہیں - پھر بھی ع

نہ خدا هی ملا نہ وصال صنم
نہ ادھر کے رہے نہ ادھر کے رہے

حکومت تو بد اعمالی کی سزا میں جانی تھی سو چلی گئی ساتھ هی ساتھ اسلام کا وہ آفتاب جو پورے کر و فر کے ساتھ جلالت و عظمت کے تخت پر متمکن اپنی ترقیوں کے منازل طے کر رہا تھا نصف النہار پر آنے سے پہلے هی غروب ہوگیا - اب نہ وہ تبلیغ تھی نہ وہ پرچار ، جو دوسروں کی هدایت کر رہا تھا خود هی گم کردہ منزل بن کر دوسروں کی راہ تکنے لگا -

بت شکن مٹ گئے باقی جو رہے بت گر ہیں
تھا براهیم پدر اور پسر آذر ہیں

وهی مسلمان جو پنجاب پہنچ کر توحید و سنت کی خاطر جہاد کرتے تھے ۔ جو نام رکھتے وقت بھی کفر و شرک کے احتمال سے ڈرتے تھے آج اُن کا یہ عالم ہے کہ اب انہی کے یہاں خنزیر الله اور کُتّا کو داس نام ہونے لگا ۔ یا تو اُن کے لیے آداب و تسلیمات کے الفاظ وضع کئے جاتے تھے یا اب وہی ہندوؤں کو ہاتھ جوڑ کر نمونسکار کر لینا باعث فخر سمجھنے لگے۔

آپ اگر اس پورے معاملے پر نہایت ہی متانت کے ساتھ غور کریں گے تو آپ کو فیصلہ کرنا پڑیگا کہ اس پوری تباہی کی ذمہ دار بنگلہ اور صرف بنگلہ زبان ہے ۔ اسی ناہنجار نے اس بسائے ہوئے گھر کو اجاڑا اور بنے بنائے کام کو بگاڑا ہے ۔ مسلمان کے بچے ہندوؤں کی لکھی ہوئی کتابیں پڑھکر اسلام اور اسلامیات سے دور ہوتے چلے گئے اور نتیجہ ظاهر ہے کہ آج بنگلہ زبان کے کسی تعلیم یافتہ کو لے لیجئے وہ بڑی آسانی کے ساتھ رام ، کرشن اور مہا بھارت کے متعلق بہت کچھ بتا دیگا ۔ خالد اور علی کا نام بھی شاید پوری طرح نہ بتا سکے ۔ اسی مشرق بنگال میں جہاں سے توحید اور سنت کی لہریں ابلتی تھیں آج اکثر مقامات پر آپ کو مندروں میں مسلمان پجاری نظر آئیں گے ۔

علما کی طرف اگر دیکھئے تو الله کا فضل ہے ۔ شاید پورے ہندستان میں علما کی جو تعداد ہوگی ۔ اکیلے بنگال میں اس سے بہت کم تعداد تو نہ ہوگی ۔ اس کے باوجود کیا آپ بتا سکتے ہیں کہ پورے بنگالے میں ایک بھی عالم ایسا ہے جسے عالمی شہرت تو خیر دور کی بات ہے کم از کم ہندستان گیر شہرت ہی حاصل ہو ۔ آخر اس کی وجہ کیا ہے ؟ کیا یہاں اس پایے کے عالم نہیں

ہوتے ؟ یا قدرتاً یہ اس کےمستحق نہیں ہیں ؟ نہیں اور ہر گز نہیں۔ ہوتے بھی ہیں اور مستحق بھی ہیں ۔ لیکن افسوس کہ ان کے منہ میں وہ زبان نہیں ہوتی جس کے ذریعہ وہ دوسروں کو مسحور کر سکیں ۔ اور اگر کہیں کسی نے اس زبان کو حاصل کرنے کی کوشش کی تو یقیناً وہ کسی حد تک آگے بھی، بڑھ چکا ہے (میری دانست میں مولانا عبداللہ الکافی کا نام اس سلسلے میں پیش کیا جاسکتا ہے)۔

لہذا میں اپنے بنگلہ نواز بھائیوں سے عرض کروں گا کہ وہ کنویں کے مینڈک نہ بنیں ۔ ذرا باہر آکر بھی دیکھیں کہ دنیا کہاں سے کہاں گئی ۔ اگر وہ ہندؤں کی ترقی دیکھ کر بنگلہ کو سراہتے ہیں تو یقیناً وہ سخت غلطی پر ہیں ۔ اس لیے کہ اُن کی مذہبی اور تمدنی دونوں ضرورتیں زبان سے پوری ہوسکتی ہیں ۔ ممکن ہے کہ آپ کی تمدنی ضرورت اس زبان سے کسی حد تک ادا ہو بھی جائے مگر مذہبی ضرورت تو کسی حالت میں بھی پوری نہیں ہوسکتی ۔ سخت غلطی ہوگی اگر آپ اپنی آیندہ نسل کو تین تین زبانوں کے بکھیڑے میں ڈال دیں ۔ بخلاف اس کے اگر اُردو کی طرف آتے ہیں تو اکیلی یہی زبان آپ کی تمام ضرورتیں آپ کی توقعات سے زیادہ پوری کرسکتی ہے ۔

نہیں معلوم کن مقدس ہاتھوں نے اُردو کی بنیاد رکھی تھی ۔ آپ کی عقل و فراست کی نگاہیں تھک جائیں گی لیکن اُن بزرگوں کی دور اندیشی اور دور رسی کی راہ ختم نہ ہوگی ۔ اسلام جس طرح دنیا کے ہر گوشے اور طبقہ کے انسان کی رہنمائی کر سکتا ہے ٹھیک اسی طرح اُردو دنیا بھر کی ضرورتیں پوری کرنے کے لیے کافی ہے ۔ دنیا کی کوئی زبان ایسی نہ ہوگی جس کے حروف تہجی

لیے مخصوص حروف اس زبان میں موجود نہوں ۔ اس لیے کوئی آواز، کوئی خیال اور کوئی مقصد ایسا نہ ہوگا جسے ادا کرنے میں اس زبان کو تکلف یا بے بضاعتی کا احساس ہو ۔ بائبل کے متعلق کہا جاتا ہے کہ سات سو زبانوں میں اس کا ترجمہ موجود ہے ۔ لیکن خود بائبل سوسائٹی کا فیصلہ ہے کہ جتنی خوبی کے ساتھ آردو میں اس کا ترجمہ ہو سکا کسی دوسری زبان میں موجود نہیں ہے ۔

یہ زبان آسان ہے اور اسقدر آسان کہ صرف پندرہ دن میں لکھنا پڑھنا آجائے ۔ اور چار دن میں آپ بولنے لگیں گے ۔ ساتھ ہی ساتھ تبحر کا یہ عالم ہے کہ زندگی ختم ہو جانے اور پڑھنا ختم نہ ہو ۔ ابھی حال ہی میں یوم نذرالاسلام کے موقع پر ایک صاحب نے غیر بنگالیوں کو نذرالاسلام کے کلام کا مطالعہ کرنے کی ترغیب دی ہے ۔ مجھے بھی اعتراف ہے کہ نذرالاسلام صاحب بنگلہ زبان کے بہترین شاعروں میں سے ہیں ٹیگور کے بعد عام طور پر آنہی کا نام لیا جاتا ہے ۔ آن کے اشعار بہت ہی جوشیلا اور آگ لگا دینے والے ہوتے ہیں ۔ لیکن خدا نخواستہ اگر اس کا آردو میں ترجمہ کسی نے کر دیا تو میں سچ کہتا ہوں کہ بنگلہ کی رہی سہی عزت اور بھرم بھی نابود ہو جائے ۔ اس لئے کہ انہوں نے جو کچھ پیش کیا ہے بنگلہ زبان کے لئے تو انوکھا ضرور ہو سکتا ہے لیکن آردو کی دنیا میں شاید نو آموزوں سے ہی موازنہ کئے جانے کے قابل ہو سکے ۔

کاش یہ بزرگ اپنے بنگلہ ماحول سے نکل کر اختر مرحوم کا نام پیش کرتے جن کا فارسی کلام ایران والے تحفتاً حاصل

کرتے تھے یا پھر حضرت وحشت کا جن کا کلام دیکھے بغیر غالب کی تکمیل نہیں ہوتی ۔ جن کا شمار نہ صرف یہی کہ ہندوستان کے مسلم الثبوت اساتذہ میں ہوتا ہے بلکہ فی الحقیقت جن کے اشعار کے بغیر آردو کی غزل سرائی پوری نہیں ہوتی ۔

مجھے افسوس ہے کہ میری صاف بیانی صوبہ پرستوں کو کھل رہی ہوگی ۔ میں جانتا ہوں کہ بنگالی ہوتے ہوئے مجھے بنگالہ کے خلاف اتنا کچھ کہنا نہیں چاہیے تھا ۔ لیکن مجبور ہوں کہ پاکستانی مفاد کے پیش نظر مجھے سب کچھ قربان کر دینا چاہیے ۔ سب سے بڑا اور مقدس فریضہ ہمارا اسوقت یہ ہے کہ ہم قوم کو ٹکڑے ٹکڑے نہونے دیں اور اگر ملک میں کئی زبانیں رائج ہوئیں تو یقیناً قوم ٹکڑے ٹکڑے ہو کر رہ جائیگی اور وہی پاکستان جس کے حاصل کرنے میں لاکھوں جانیں تلف ہوچکی ہیں ۔ ہزاروں خاندان برباد ہوچکے ہیں ۔ قصبوں اور دیہات کا تو کیا ذکر شہر کے شہر تباہ ہوچکے ہیں خدا نخواستہ اگر ہماری عاقبت نااندیشی کا یہی حال رہا تو پھر اس مقدس امانت "پاکستان" کا خدا ہی حافظ ہے ۔

اللھم اھد قومی انھم لا یعلمون

پاکستان کی سرکاری زبان

(جناب کوی غلام مصطفیٰ صاحب)

★

اس مضمون میں بنگلہ زبان کے نامور مسلمان شاعر جناب کوی غلام مصطفیٰ صاحب نے پاکستان کی سرکاری زبان کے مسئلے پر اپنے خیالات کا اظہار کیا ھے۔ غلام مصطفیٰ صاحب کی ذات بنگلہ ادب کے لیے سرمایۂ صد افتخار ھے۔ انہیں تصنیف و تالیف کے میدان میں قدم رکھے تقریباً تیس پینتیس سال ھو گئے انہیں اپنی زبان سے بے حد محبت ھے اور جتنی خدمت بنگلہ زبان کی انھوں نے کی ھے اس کا مقابلہ بنگلہ تحریک کے موجودہ حامیوں میں کوئی نہیں کرسکتا۔ موصوف بنگلہ زبان کا ایک رسالہ بھی نکال رھے ھیں، پاکستان کی مرکزی زبان کے مسئلے کا جائزہ موصوف نے تاریخی حقائق اور سائنٹفک دلائل کی روشنی میں کیا ھے۔ امید ھے کہ اس مضمون کا مطالعہ ھمارے ان بھائیوں کو ایک بار پھر ٹھنڈے دل سے سوچنے پر مجبور کرے گا جو جذبات کی رو میں بہہ کر معاملے کے اھم پہلوؤں کو نظر انداز کر گئے ھیں۔ ظاھر ھے کہ مصنف سے زیادہ بنگلہ زبان کی دل کشی اور خوبی سے کون واقف ھوگا کہ اس شاھد رعنا کی مشاطگی میں ان کا بھی بہت کچھ حصہ ھے۔ اس لیے اس باب میں ان کا فیصلہ حرف آخر کا حکم رکھتا ھے۔ اصل مضمون ھم انگریزی سے ترجمہ کر کے معاصر مورننگ نیوز ڈھاکہ کے شکریہ کے ساتھ شائع کر رھے ھیں۔ (مدیر).

اس سوال پر کہ پاکستان کی سرکاری زبان اردو ہونی چاہئیے یا بنگالی ، غیر ضروری تلخی پیدا ہو گئی ہے ، ابھی ہماری مملکت عہد طفولیت سے گذر رہی ہے ، اور اس مرحلے پر اس قسم کے اندرونی اختلافات کا پیدا ہو جانا حد درجہ قابل افسوس ہے ۔ مناسب تو یہ ہے کہ اس نازک وقت میں ہم متحد و متفق ہو کر اپنے نصب العین کی طرف بڑھیں اور ذہنی الجھنوں سے بچنے کی کوشش کریں ۔

اس مسئلے میں میرے جو خیالات ہیں اُن کا علم پہلے ہی ہر ایک کو ہے ، قائد اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے اعلان سے بہت پہلے میں ڈھاکہ کے ایک جلسۂ عام میں یہ کہہ چکا تھا کہ پاکستان کی سرکاری زبان اردو ہونی چاہئیے ۔ رہی بنگالی ، تو اس کے مسترد کیے جانے کا کوئی سوال ہی نہیں تھا ، روزنامہ ' ہندستان اسٹینڈرڈ ، کی ۱۲ نومبر سنہ ۱۹۴۷ع کی اشاعت میں میرے بیان کی جو رپورٹ چھپی تھی اُس کے مندرجہ ذیل اقتباس سے میرا مقصود اچھی طرح واضح ہو جائے گا :—

”کوی غلام مصطفیٰ نے کہا کہ جو لوگ بنگلہ کو پاکستان کی سرکاری زبان بنانا چاہتے ہیں وہ جغرافیائی حدود کے تنگ زاویے سے اس مسئلے پر غور کر رہے ہیں ۔ اگر ہم پاکستان کو ایک قوی اور زندہ قوت سمجھتے ہیں اور اتحاد باہمی کی علامت مانتے ہیں تو اردو کو ہرگز نظر انداز نہیں کر سکتے وہ (غلام مصطفیٰ) اس خیال سے متفق تھے کہ بنگال کے مسلمانوں کے زوال کا سبب بنگلہ زبان ہے ، کیوں کہ زبان غیر مسلموں کے افکار و خیالات کا مرقع ہے ۔ بہر طور

انہیں اس بات پر کوئی اعتراض نہ تھا کہ صوبہ مشرقی بنگال کی سرکاری زبان بنگلہ کو بنادیا جائے،، ۔

(ھندستان اسٹنڈرڈ ۱۲ نومبر ۱۹۴۷ع)

مخالف کیمپ میں ان خیالات کی زبردست مخالفت کی گئی ۔ میں نے جو بغیر کسی ایچ پیچ کے بےلاگ طور پر اپنا نقطہ نظر ظاہر کر دیا آج تک اس بے وقوفی کی سزا بھگت رہا ھوں ، اس لیے ضروری سمجھتا ھوں کہ تفصیلی طور سے اپنے نقطہ نظر کی وضاحت کردوں ۔

بنگلہ میری مادری زبان ہے

اردو کی حمائت کے معنی بنگلہ کی مخالفت کے نہیں ھیں ، بنگلہ تحریک کے موجودہ حامیوں میں سے کوئی ایسا نظر نہیں آتا جو اس زبان کی محبت میں مجھ سے آگے ھو ، مجھے منظم طریقے سے اس زبان کی آبیاری کرتے تیس سال سے اوپر ھوگئے ، اپنے ملک اور قوم کی جو خدمت میں نے کی ھے وہ بنگلہ ھی کے ذریعہ کی ھے ۔ بنگلہ میری مادری زبان ھے اور زندگی کے آخری سانس تک میں اپنے خون سے اس کی پرورش کرتا رھوں گا ، مگر یہ مسئلہ محض بنگال کا نہیں ھے ۔ اپنی مملکت کی سرکاری زبان کے انتخاب میں ھمیں بہت سی باتوں کو نظر میں رکھنا پڑے گا ۔ یہ معاملہ محض ذاتی پسندیدگی و ناپسندیدگی یا کسی خاص طبقے کی سہولت و عدم سہولت کا نہیں ھے ۔

سرکاری زبان کی اھمیت

کسی قوم کی سرکاری زبان کا انتخاب کوئی مشکل مسئلہ نہیں ھے ” مملکت کی سرکاری زبان،، کی اصطلاح میں مملکت کا تصور موجود ھے

اس لیے ظاہر ہے کہ مملکت کی سرکاری زبان وہ ہونی چاہیے جس سے بہترین طور پر اُس مملکت کے مفاد کو ترقی دی جا سکے ، پس ظاہر ہوا کہ مملکت کے نصب العین ، اُس کی اُمنگوں اور نظریات سے مملکتی زبان کے مسئلے کا گہرا تعلق ہے ۔ لہذا مملکتی زبان کے تعین میں پہلی شرط مُملکت کی سالمیت کے تحفظ اور اس کی بقا کی ہے ۔ اگر ہم اس معاملے پر آپس میں لڑتے رہیں اور اُس کے نتیجے میں خود مملکت ہی باقی نہ رہے تو صرف زبان کو لے کر ہم کیا کریں گے ؟

زبان مقصود بالذات نہیں بلکہ کسی مقصد کے حصول کا ذریعہ ہوتی ہے ۔ جب انگریزوں نے اس ملک کو فتح کیا تو اُنہوں نے انگریزی کو ہماری سہولت کے لیے یہاں کی سرکاری زبان قرار نہیں دیا تھا بلکہ اُن کے پیش نظر اپنا مفاد اور اپنے مخصوص نظریات تھے ــــ اس اصول کا اطلاق یکساں طور سے پاکستان پر بھی ہونا ہے ۔

ہماری دلیل

پس ہمیں اپنی مملکتی زبان کے تعین سے پہلے یہ سوچ لینا چاہئے کہ پاکستان کا مفہوم کیا ہے اور یہ کن قدروں کا علم بردار ہے ۔ مطالبۂ پاکستان کی خاص دلیل یہ تھی کہ مسلمانوں کی ثقافت ہندوؤں سے جدا ہے اس لیے وہ ایک علاحدہ قوم ہیں ، انڈین نیشنل کانگریس اس مطالبے کو اس بنا پر مسترد کر رہی تھی کہ اگرچہ ہندستانی مسلمان مذہباً مسلمان ہیں لیکن ثقافتی اعتبار سے وہ ہندوؤں سے الگ نہیں ہیں انہوں نے بھی ہندوؤں کی طرح مشترکۂ ہندستانی کلچر کی فضا میں آنکھ کھولی ہے ۔ اسی وجہ سے وہ اکھنڈ بھارت پر زور دیتے تھے ۔ غرض اس کشمکش میں انجام کار

فتح مسلمانوں کی ہوئی ، گویا اس طرح پاکستان کے تخیل کا تمام‌تر ڈھانچہ اسی دو قومی نظریے پر قائم ہے ، پاکستان کی ساری جنگ اسی مقصد سے لڑی گئی اور یہی ایک جذبہ ہماری رگ و پے میں سرایت کیے ہوئے تھا اور ہمیں جد و جہد پر اُبھار رہا تھا کہ ہم اپنے کلچر کی حفاظت کریں اور دوبارہ اُسی بام عرج پر پہنچا دیں جہاں یہ عہد ماضی میں تھا اور اپنے خون سے اس نقش میں نیا رنگ بھریں تا کہ اُس میں عہد خضر کے تقاضوں سے مطابقت ہو جائے - یہی ہمارے فکر و عمل کا نقطۂ آغاز ہونا چاہیے اور اسی جذبۂ شوق سے سرشار ہم اپنی منزل کی طرف بڑھتے چلے جائیں ـــــ سرکاری زبان کے مسئلے پر اسی پس منظر میں غور کرنا چاہیے -

ہمارے مسائل

مختلف مدرسہ ہائے فکر نے طرح طرح کے خیال ظاہر کیے ہیں ، بعض حضرات کہتے ہیں کہ پاکستان کی آبادی میں چوں کہ اکثریت بنگالیوں کی ہے اس لیے مملکت کی سرکاری زبان کا مرتبہ اُردو کے بجائے بنگلہ کو بخشا جانا چاہیے - در اصل یہ بات صحیح نہیں ہے ، صحیح کیفیت اس کی یوں ہے کہ مغربی پاکستان کی آبادی تین کروڑ ستر لاکھ مسلمانوں پر مشتمل ہے ، درآں حالے کہ بنگالی مسلمانوں کی تعداد صرف تین کروڑ ہے ، مشرقی بنگال کی کل آبادی یوں تو چار کروڑ بیس لاکھ کے قریب ہے مگر اُس میں ایک کروڑ بیس لاکھ غیر مسلم بھی شامل ہیں -

ایک اور جماعت کی رائے ہے کہ پاکستان میں دو سرکاری زبانیں ہونی چاہئیں - اُن کے خیال میں اُردو اور بنگلہ دونوں کو

مملکتی زبانوں کا درجہ دے دینا چاھیے ، البتہ باقی لوگوں نے قائد اعظم محمد علی جناح مرحوم کا یہ فیصلہ مان لیا ہے کہ صرف اردو پاکستان کی سرکاری زبان ہونی چاھیے ۔

——آئیے اب ہم ان مختلف نقطہ ہائے نظر کی صحت کا جائزہ لیں ، جو لوگ اکثریت کی بنیاد پر بنگلہ کو پاکستان کی سرکاری زبان قرار دینا چاہتے ہیں ان کی دلیل میں کوئی وزن نہیں ۔ اگر اس قسم کے قومی مسائل کا فیصلہ صرف کثرت و قلت کے اصول پر ہوا کرتا تو ہم پاکستان حاصل نہ کر سکتے تھے کیونکہ اس ملک میں ہمارے مقابلے میں ہندوؤں کی واضح اکثریت تھی ۔ اس صورت میں ہماری موجودہ تاریخ کسی اور طرح لکھی جاتی ، نظریات کا فیصلہ صرف ووٹوں کی گنتی سے نہیں ہو سکتا ۔

دو زبانیں ایک صورت یہ بھی بتائی جاتی ہے کہ بنگلہ اور اردو دونوں کو پاکستان کی سرکاری زبانیں قرار دیا جائے ۔ بنگلہ مشرقی پاکستان کی زبان رہے اور اردو کی قلمرو مغربی پاکستان قرار پائے ۔ سرسری نظر سے دیکھا جائے تو بات دل کو لگتی ہے ۔ لیکن اس میں بے شمار خطرات پوشیدہ ہیں اس کے علاوہ جیسا کہ اوپر بیان کیا جا چکا ہے یہ صورت پاکستان کی روح اور نظریات کے منافی ہے ۔

ملک دو حصوں میں تقسیم ہو جائیگا پاکستان ایک واحد مملکت ہے ، یہ پانچ پھولوں کا گلدستہ ہے ، اس گلدستہ کا کوئی پھول اس میں سے الگ نہیں کیا جا سکتا ۔ ” مشرقی پاکستان،، اور ” مغربی پاکستان،، کی اصطلاحیں دراصل ہم نے اپنی آسانی

کے لیے غیر سرکاری طور پر وضع کرلی هیں ورنه ان کا کوئی حقیقی وجود نہیں ، پاکستان کے مختلف صوبے ایک دوسرے سے اس طرح وابسته هیں جس طرح جسم سے هاتھ پاؤں ، که اگر هاتھ پاؤں کاٹ دیے جائیں یا باقی جسم کے ساتھ تعاون نه کریں تو جسم زنده نہیں ره سکتا اس سے ثابت هوا که پاکستان کی سلامتی اور اس کی بقا کے لیے ضروری ہے که اس کے اجزائے ترکیبی میں باهمی اتحاد و اتفاق رهے ، ابھی پاکستان کے سامنے بہت سے مسائل هیں اور ابھی یه مملکت بے شمار خطروں میں گھری هوئی ہے ۔ همیں سرحد پار کے بڑے سخت دشمنوں سے سابقه ہے ، اور دشمن کی فطری خواهش هوتی ہے که هماری صفوں میں انتشار پیدا کرے ۔ آخر دشمن پر فتح پانے کا بہترین طریقه یہی تو ہے ! اگر اردو اور بنگله دونوں کو سرکاری زبانوں کا مرتبه دے دیا گیا اور ایک زبان کے لیے مغربی حصه اور دوسری کے لیے مشرقی منطقه مخصوص کر دیا گیا تو اس سے دشمنوں کا مقصد پورا هو جائے گا اس لسانی دورنگی سے هم میں صوبائی عصبیت پیدا هوجائے گی اور اس کا نتیجه صرف یہی نہیں هوگا که پاکستان کے دونوں حصے ایک دوسرے سے دائمی طور پر الگ هو جائیں بلکه پاکستان کی ساری عمارت هی زمین پر آ رهے گی اور اس کے بعد مشرقی بنگال کا بھی وهی حشر هوگا جو جوناگڑھ اور کشمیر کا هوا ۔

خطرناک تجویز

پس ثابت هوا که دو زبانوں کا نظریه انتہائی خطرناک تجویز ہے ۔ همارے درمیان اختلاف کا بیج بو دے گا ۔ اور اس سے بنگالی مسلمانوں اور غیر بنگالی مسلمانوں کے درمیان همیشه کے لیے تفریق کی بنیاد پڑ جائیگی ۔ پنجابی ،

سندھی ، سرحدی اور بلوچی بھی اسی طرح اپنی اپنی بولیوں کے حق میں آواز اٹھائیں گے اور اس سے مملکت میں ایک عجیب قسم کا انتشار اور برھمی پیدا ھوجائے گی ۔ اگر پاکستان پر ھمارا عقیدہ ہے تو ھمیں اس کے بنیادی تصورات اور نظریات پر مکمل طور سے ایمان لانا پڑے گا ۔ جو حکمت عملی مملکت کے عام معاملات کے متعلق ھوگی ، زبان کے معاملے پر بھی اس کا اطلاق ھوگا ۔ ھر شخص جانتا ہے کہ شہید سہروردی صاحب کے '' آزاد بنگال ،، کا منصوبہ نظریاتی اختلاف کی وجہ سے ناکام ھوا ۔

انگریزی عہد میں ھماری قوم خانوں میں بٹ گئی تھی اور ھم اس انداز سے ھٹ کر نہ سوچ سکتے تھے ۔ ھم یہ بھول چکے تھے کہ مسلمان ایک قوم ھیں ۔ نہ ھمیں یہ یاد رھا تھا کہ اسلام علاقائی سرحدوں کو تسلیم نہیں کرتا اور اسلامی اخوت جغرافیائی سرحدوں کو پھاند جاتی ہے ۔ غرض ھمارے ذھن کی فضا تنگ ھوچکی تھی اور ھم پست قسم کے خیالات میں مبتلا تھے حصول آزادی کے بعد پرانے خیالات کی دنیا میں رھنا اور مثل سابق عمل کرنا ھمارے لیے مناسب نہیں ۔ اب ھمارا زاویۂ نظر اور ھماری قدریں بدل جانی چاھئیں ۔ اب تو ھر حال میں ھمیں اپنا مفاد پیش نظر رکھنا چاھئیے ۔

بنگلہ اور ھندی کی مماثلت

جو لوگ بنگلہ کے حق میں مغربی بنگال کی مثال دیتے ھیں وہ غلطی پر ھیں ۔ ھندی اور

بنگلہ میں بہت قریبی مماثلت ہے۔ بنگلہ اور ہندی دونوں کی بنیاد ایک ہے یعنی سنسکرت، بنگلہ زبان کی اصل روح۔ یعنی روایات اور علم الاصنام بالفاظ دیگر اس کا سارا سرمایہ ادب ہندی سے مماثل ہے۔ اس لیے اگر مغربی بنگال نے بنگلہ کو اپنی علاقائی زبان قرار دیا ہے تو اس میں تعجب کی کوئی بات نہیں اور اس کی وجہ سے بنگالی ہندوؤں اور شمالی ہند کے ہندوؤں میں کسی قسم کے اختلاف کی بنیاد نہیں پڑی۔ اس کے بر خلاف بنگالی ہندوؤں نے حیرت انگیز نظم و ضبط اور حب الوطنی کا ثبوت دیا ہے۔ کیوں کہ یہ ایک حقیقت ہے کہ اس وقت ہندستان میں دو سو سے زیادہ زبانیں رائج ہیں اور ثقافتی نقطہ نظر سے بنگلہ کا سرمایہ سب سے زیادہ ہے۔ ہندستانی زبانوں میں یہ فخر صرف بنگلہ کے شاعر رابندر ناتھ ٹیگور کو حاصل تھا کہ اس نے نوبل پرائز حاصل کیا اس نے یہ انعام حاصل کر کے نہ صرف یہ کہ بنگالیوں کا سر اونچا کر دیا بلکہ پورے ہندستان کے لیے اس کی ذات باعث صد افتخار تھی۔ شانتی نکتن میں ٹیگور کا 'وشوا بھارتی اسکول ایک ایسا ادارہ ہے جسے عالم گیر شہرت حاصل ہے۔ ہندوؤں کا قومی ترانہ بندے ماترم بھی بنگال کے نامور شاعر بنکم چندر چٹر جی کی تخلیق ہے۔ سودیشی کی تحریک کی ابتدا بھی بنگالی ہندوؤں نے کی اور بنگال کے نوجوان آزادی کی ہر تحریک میں پیش پیش رہے یہی وجہ تھی کہ اس فقرے کو ضرب المثل کی حیثیت حاصل ہو گئی تھی کہ "بنگال آج جو سوچتا ہے کل سارا ہندستان وہی سوچے گا"۔ بنگلہ زبان کی ان خصوصیات کے باوجود کانگریس کی مجلس آئین ساز نے بنگال اور

بنگلہ زبان کے ساتھ کیا عمل کیا ؟ ہندستان کے آئین میں بنگلہ کو کوئی خصوصی اہمیت حاصل نہیں ہے ۔ ہندی مملکت کی سرکاری زبان قرار پا گئی ہے اور ڈاک کے ٹکٹوں پر بھی بنگلہ عبارت کے تحریر کرنے کی قطعی ضرورت نہیں سمجھی گئی ۔ پھر بھی بنگالی ہندوؤں نے اس فیصلہ کے خلاف خفیف سے خفیف احتجاج نہیں کیا اور اس کے برخلاف نہایت سختی کے ساتھ اس مسئلے میں سکوت اختیار کیا ۔

جائے عبرت

ہندی کے ہندستان کی سرکاری زبان قرار پانے پر مغربی بنگال میں نہ کہیں ہڑتال ہوئی نہ احتجاجی جلوس نکالے گئے نہ جلسوں یا اخبارات میں اس فیصلے کے خلاف اظہار بے زاری کیا گیا ۔ غرض کسی قسم کا شور و سر نہیں ہوا کیا یہ حقایق قابل توجہ نہیں ؟ دوسری طرف ہمارا حال ملاحظہ فرمائیے کہ آردو کے خلاف ہم نے زمین آسمان ایک کر دیا ہے اور بنگلہ آردو کے سوال پر ایک دوسرے کا سر پھوڑ رہے ہیں ۔ کس قدر افسوس کی بات ہے کہ ہمارے سرحد پار کے بھائی تو بنگلہ کی علاقائی اور صوبائی حیثیت سے مطمئن ہیں اور ہم اس زبان کا پرچم کراچی تک لہرانے کے لئے ایک دوسرے کا گلا کاٹنے کے لیے تیار نظر آتے ہیں ۔

ہندوؤں کی تخلیق

غرض مغربی بنگال اور مشرقی بنگال میں بنگلہ کی حیثیتیں مختلف ہیں اور ہر دو کا مفہوم اور مقصد جدا ہے ۔ جب مغربی بنگال میں بنگلہ کو سرکاری زبان قرار دیا جاتا ہے تو گویا یہ بنگالی ہندوؤں کی ثقافتی فتح کا اعلان ہے ۔ اس امر کا اعلان ہے کہ رانی نے اپنے راج پاٹ سنبھال لیا

راج سنگھاسن پر بیٹھ گئی ۔ لیکن مشرق بنگال کے مسلمانوں کے لیے یہ معاملہ جداگانہ نوعیت رکھتا ہے ۔ اس حقیقت سے انکار ممکن ہی نہیں کہ بنگلہ زبان کی بنیادی خصوصیات میں ہندوؤں کے محاورے ، ہندوؤں کے مخصوص اسالیب بیان اُن کا علم الاصنام ، اُن کی خاص تلمیحیں ، تشبیہیں اور استعارے شامل ہیں اور ان سب سے بڑھ کر یہ بات کہ بحثیت مجموعی زبان میں اصنام پرستی کی روح جاری و ساری نظر آتی ہے ۔ ایمان داری کی بات تو یہ ہے کہ اس پر ہمیں ہندوؤں کو الزام نہ دینا چاہیے ، انہوں نے اپنی مادری زبان میں اپنی ثقافتی خصوصیات کا اظہار کیا ہے تو اس میں برائی کی کوئی بات نہیں ۔ البتہ مجھے شکوہ یہ ہے کہ بنگالی مسلمان اس زبان کو اپنی ثقافتی خصوصیات کے اظہار کا ذریعہ بنانے میں ناکام رہے ۔

آج بھی بنگلہ میں قرآن یا حدیث کا مستند ترجمہ نہیں مل سکتا ۔ اس کا تو خیر ذکر ہی کیا میلاد شریف کے لیے بھی کوئی چھوٹی سی کتاب موجود نہیں ہے ۔ جہاں تک پنتھی ساھتیہ (عوامی ادب) کا تعلق ہے یہ بات تسلیم کرنی پڑے گی کہ ہمیں اس صنف میں بہت سے مسلمان شاعروں کے نام نظر آتے ہیں لیکن ان مسلمان شعرا کی تخلیقات ، ادب کے اعلیٰ معیار تک کبھی نہ پہنچ سکیں ۔ مسلمان شاعروں نے سستی شہرت حاصل کرنے اور عوام کے طبقے میں ہر دل عزیز بننے کے لیے عامیانہ جذبات کی عکاسی کی ۔ اُن کی شاعری تنقید کی کسوٹی پر پوری نہیں اُترتی ۔ پھر لطف کی بات یہ ہے کہ اُن مسلمان شعرا کے گیتوں کا موضوع رادھا کرشن اور دوسرے دیوی دیوتاؤں کی محبت ہے ۔ واقعہ تو یہ ہے

کہ عصر حاضر کے مسلمان مصنفین کی اکثریت ہندو پرستی میں اپنے پیشروؤں سے کسی طرح پیچھے نہیں ہے۔

ہندو دیوتاؤں کی مدح سرائی

ہمارے قابل قدر شاعر نذرالاسلام کی ذہنی ساخت بھی اس رجحان سے خالی نہیں ہے۔ اگرچہ انہوں نے کچھ عربی فارسی کے الفاظ بھی بنگلہ میں داخل کیے ہیں اور بعض اعلیٰ درجے کی اسلامی نظمیں لکھی ہیں لیکن ہندو علم الاصنام اور ہندو فلسفہ سے اُن کے طائر تخیل کو بہ طور خاص قوت پرواز ملتی ہے۔ ہندوؤں کا کوئی دیوی دیوتا ایسا نہ بچا ہوگا جس کی تعریف میں انہوں نے گیت نہ لکھے ہوں۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ بنگلہ زبان و ادب کے اثر سے ہم اسلام سے کس قدر دور ہوگئے ہیں۔ ثانوی تعلیم کے ڈھاکہ بورڈ نے حال ہی میں میٹرکولیشن کے نصاب کے لیے بنگلہ کا ایک مجموعہ شائع کیا ہے۔ اس مجموعہ کی ترتیب میں کئی مسلمان مصنفین شامل ہیں جنہیں بنگالی ادب میں امتیازی درجہ حاصل ہے۔ اور یہ حضرات تحریک زبان کے سلسلہ میں بھی پیش پیش رہے ہیں۔ یہ مجموعہ ہمارے مندرجہ بالا دعوے کا بہترین ثبوت ہے۔

ہندو اور پنجابی

غرض یہ مطالبہ کہ بنگلہ کو پاکستان کی سرکاری زبان قرار دیا جائے در حقیقت ہندو کلچر کی فتح کی علامت ہے اور اس کے ازالے کے لیے اور زیادہ ضروری ہو جاتا ہے کہ بنگالی مسلمانوں کی ثقافتی زندگی کی رگوں میں اُردو کا خون دوڑایا جائے۔ تعجب کی بات ہے کہ بنگالی مسلمان اس لیے اُردو کے مخالف ہیں کہ اُنہیں پنجابی مسلمانوں کے غلبے کا اندیشہ ہے لیکن بنگلہ کلچر کی غلامی سے اُنہیں کوئی انکار

نہیں ہے" اگرچہ بنگلہ کلچر پر ازسر تا پا ہندویت کا رنگ چڑھا ہوا ہے"

اسلام میں قومیت کی گنجائش نہیں

تجربے سے معلوم ہوگا کہ "" بنگال میں بنگلہ ** کے نعرے کی بنیاد قومیت کے تصور پر ہے۔ بنگالی مسلمانوں کا اپنا علاحدہ کلچر ہے۔ در اصل بنگلہ کی موجودہ شورش علاقائی عصبیت کی وجہ سے ہے لیکن ان لوگوں کو یہ معلوم نہیں کہ اسلام میں اس قسم کی قومیت کا سرے سے وجود ہی نہیں ہے اسلام بین قومی نظرے کی تعلیم دیتا ہے اور جغرافیائی سرحدوں کی تنگ نائے سے باہر نکالتا ہے۔ اسلام کسی خاص مقام یا محلے سے محبت کا سبق نہیں دیتا۔ اسلام صرف اس حد تک قومیت کو برداشت کرتا ہے جس حد تک یہ قومیت آفاقی قدروں کے ساتھ چلتی ہے۔ قومیت کے تصور سے اتنا فائدہ نہیں ہوتا جتنا اس سے نقصان پہنچتا ہے۔ گذشتہ دو عالم گیر جنگیں اسی قومیت کے غلط اور گمراہ کن تصور کا نتیجہ تھیں۔ اس لیے اگر قومیت کو انسانیت کا دشمن قرار دیں تو بے جا نہ ہوگا۔ کسی نے کیا خوب کہا ہے کہ " انسان کی تخلیق خدا نے کی اور قومیت کے تصور کا خالق شیطان ہے"۔ اسی لیے اقبال کہتا ہے کہ:

چین و عرب ہمارا ہندوستان ہمارا
مسلم ہیں ہم وطن ہے سارا جہاں ہمارا

اس سے ثابت ہوا کہ بنگلہ ثقافت کے ہم نوا اسلام کی اصلی روح اور پاکستان کے نظرے کے خلاف قدم اٹھا رہے ہیں۔

غلط مثال

بعض لوگ سوویت روس کی مثال دے کر پاکستان کے لیے دو زبانیں تجویز کرتے ہیں لیکن روس کی مثال

پاکستان پر صادق نہیں آتی - روس کی ساری زبانوں کے لیے سرولی رسم حظ لازمی قرار دے دیا گیا ہے - مرکزی روسی زبان اور جملہ صوبائی زبانوں میں یہی رسم خط مستعمل ہے حتیٰ کہ روس کی مسلمان جمہوریتوں میں جو عربی رسم خط مروج تھا اس کی جگہ بھی سرلی خط رائج کردیا گیا ہے - اس کے نتیجے میں ظاہر ہے کہ روسی مسلمانوں کا تعلق بہت جلد اسلامی نظریات اور ادب سے منقطع ہوجائے گا اگرچہ اب تک حکومت کی سر توڑ کوششوں کے باوجود ایسا نہیں ہوسکا تھا -

علاوہ ازیں روس کی ہئیت ترکیبی یہ ہے کہ وہ مختلف آزاد جمہوریتوں کا مجموعہ ہے اور ہر جمہوریت کا اپنا علاحدہ کلچر، زبان اور مذہب ہے - پاکستان کی بنیاد وحدت کے تصور پر ہے - ایک وحدانی اسلامی ریاست ہونے کی حیثیت سے اس کی زبان ایک ہونی چاہیے - البتہ صوبوں کی حد تک الگ الگ صوبائی زبانوں کی اجازت دی جاسکتی ہے -

آردو کا دعویٰ مسئلے کے مالہ وماعلیہ پر اچھی طرح غور کرنے کے بعد میری رائے ہے کہ پورے پاکستان کی زبان آردو ہونی چاہئے اور مشرقی پاکستان میں ذریعۂ تعلیم اور دفتری زبان بنگلہ ہونی چاہئے آردو اور بنگلہ دونوں کو لازمی قرار دے دینا چاہیے انگریزی کو ان کے بعد جگہ ملنی چاہیے، لیکن ساری پاکستانی زبانوں کا رسم خط ایک ہونا چاہیے - اس لئے بنگلہ نسخ رسم الخط میں لکھی جانی چاہئے تا کہ مغربی پاکستان والے بنگلہ اور مشرقی پاکستان والے آردو بہ آسانی سیکھ سکیں - آردو اور مسلمانی بنگلہ میں نوے فی صدی الفاظ مشترک

هیں اور آیندہ بیس سال کے اندر دونوں زبانوں کے اختلاط سے ایک مشترکہ زبان کا بن جانا مشکل نہ ہوگا ۔ اس زبان کو اردو نہ کہنا چاھیں تو پاکستانی کہہ سکتے ھیں ۔" باھمی مصالحت کا یہ بہترین طریقہ ہوگا ۔ اس طرح ہم شیر و شکر ہو سکتے ہیں ۔ اگر اردو پاکستان کی زبان قرار پائی تو ھم کو حسب ذیل فوائد ہوں گے ۔

"اس وقت محض دو ریاستوں کی چپقلش نہیں ہے بلکہ دو علاحدہ علاحدہ کلچر ایک دوسرے کا مقابلہ کر رہے ہیں ۔ جس طرح یہ بر عظیم جغرافیائی طور پر دو حصوں میں تقسیم ھوگیا ھے اسی طرح دو کلچر ایک دوسرے سے الگ ھو گئے ۔ ایک هندی کلچر ھے دوسرا آردو کلچر ۔ هندو کلچر نے هندی کے قلعے میں پناہ لی ھے اور آردو کلچر آردو سے وابستہ ھے ۔ ایسے وقت میں جب کہ ھماری ثقافتی زندگی خطرے سے دو چار ھو ھمیں اپنے قلعے سے باھر نہ نکلنا چاهیے ۔ ھمارے لیے تو آردو پڑھنا ایک حیاتیاتی ضرورت بن گئی ھے ۔ اگر بنگالی مسلمانوں نے آردو نہ سیکھی تو وہ بنگلہ کے حصار میں محصور ھو جائیں گے اور بیرونی دنیا سے آن کا کوئی تعلق باقی نہ رہے گا اور ھماری اس علیحدگی کے معنی سیاسی اور ثقافتی موت کے ھوں گے ۔

آردو صحیح معنوں میں اسلامی کلچر کی نمائندہ ھے ۔ قرآن حدیث ، تفسیر ، سیرت ، تاریخ ، سائنس ، فلسفہ غرض جملہ علوم آردو میں موجود ھیں ۔ حیدرآباد دکن کی جامعہ عثمانیہ اس بر عظیم کی کامیاب ترین یونیورسٹیوں میں سے ایک تھی اور اس میں جملہ علوم (بہ شمول سائنس) کی تعلیم اعلیٰ درجوں تک صرف آردو میں .

دی جاتی تھی اس زبان کے ذریعہ ہم یورپ کے قدیم و جدید علوم تک رسائی حاصل کر سکے ہیں اور یورپ کے ادب کی مشکل سے کوئی کتاب ایسی ہوگی جس کا ترجمہ آردو میں نہ ہو چکا ہو آردو سب سے زیادہ جمہوری مزاج کی زبان ہے۔ اس میں بے انتہا لچک ہے اور اس کا ذخیرہ الفاظ بہت وسیع ہے۔ موسیقی اور آرٹ کے لیے یہ حد درجے موزوں ہے۔ بنگلہ کے برخلاف آردو کے خیالات کا سرچشمہ اسلام کی تعلیمات ہیں۔ یہ زبان مشرکانہ جذبات و خیالات سے پاک ہے۔ آردو سے خدا پرستی کے جذبے کو تحریک ہوتی ہے۔ اقبال، حالی، شبلی، غالب وغیرہ جیسی عظیم المرتبت شخصیتوں کے خیالات پڑھ کر ہماری روح میں ایک سرمدی سرور پیدا ہوتا ہے اور اس طرح بنگلہ کے اثر سے ہمارے ذہنوں میں جو غیر اسلامی خیالات جگہ پا رہے ہیں ان کا کسی حد تک ازالہ ہو سکے گا۔

شمع آردو کی روشنی بنگلہ کے کاشانے کو بھی منور کرے گی۔ اب یہ راز نہیں رہا ہے کہ بنگال کے ساتھ بنگلہ زبان بھی دو حصوں میں بٹ چکی ہے اور مشرقی بنگال کے مسلمان بنگلہ زبان کو اپنے رنگ میں رنگنے کے لیے آزاد ہو چکے ہیں۔ آدھر مغربی بنگال کے ہندو بھی آزاد ہیں کہ وہ بنگلہ کو اپنے نظریات اور کلچر کے اظہار کا ذریعہ بنا سکیں۔ اگر مشرقی بنگال کے مسلمانوں نے آردو کی طرف توجہ نہ کی تو زبان کو اپنے پسندیدہ قالب میں ڈھالنے کا یہ سنہری موقع ہمارے ہاتھ سے نکل جائے گا۔ تجربہ شاہد ہے کہ بنگلہ کو ہندوؤں کے ہاتھوں میں چھوڑ دیا گیا تو جس طرح سنسکرت زبان اور کلاسیکی موسیقی (میرا مطلب دھرپد سے ہے)

مزاج ہندوانہ اور ان کا دائرہ تنگ ہوگیا تھا ، وہی حال بنگلہ کا ہوگا ۔ مسلمانوں کی بدولت ہی ہندوستانی موسیقی تباہ ہونے سے بچی ۔ انشاء اللہ بنگلہ زبان کی حفاظت کرکے مسلمان اس میں بھی صالح رجحانات پیدا کریں گے ۔ یہ بات ہر شخص کو معلوم ہے کہ نذرالاسلام نے بنگلہ کے زنانہ اسالیب کے مقابلے میں آسے ایک جان‌دار اور مردانہ اسلوب عطا کیا ۔ اُن کی کامیابی کا راز کیا ہے ؟ یہی کہ انہوں نے عربی فارسی کے الفاظ استعمال کیے اور اُن کے اسلوب میں اسلامی رنگ جھلکتا ہے ۔

نفرت باقی نہ رہے گی

پاکستانی ہندوؤں کو اردو پڑھنے میں کوئی عذر نہ ہونا چاہیے ۔ ہندو کی ذہنیت یہ ہے کہ چھوت چھات کے لاشعوری احساس کی وجہ سے شروع شروع میں وہ ہر بیرونی چیز سے بچتا ہے ، لیکن جب اُسی چیز کو لذیذ اور خوش ذائقہ پاتا ہے تو قبول کرلیتا ہے ۔ اُنہوں نے کھانے پہننے اور مجلسی زندگی کے بہت سے رسوم کی ابتداءً مخالفت کی مگر بعد میں یہ مخالفت ختم ہوگئی ۔ ہندوستانی موسیقی (دھرپد) کے چاروں طرف بڑی اونچی دیواریں کھڑی کر دی گئی تھیں ، مگر جب مسلمانوں نے ان دیواروں کو ڈھانا شروع کیا تو یقیناً بہت سے ہندوؤں کے جذبات مجروح ہوئے ہوں گے ۔ مگر کیا مسلمانوں کی مداخلت بعد کو رحمت ثابت نہ ہوئی ؟ کیا خیال ، ٹپہ ، ٹھمری اور غزل ہندوستانی موسیقی کو مسلمانوں کا گراں قدر عطیہ نہیں ہیں ؟ ۔ اب تو مسلمانوں سے زیادہ دل چسپی اور لطف ان چیزوں میں ہندو لیتے ہیں ۔ اُردو بنگلہ کے اختلاط سے بھی اسی قسم کے خوش گوار نتائج نکلیں گے ۔

ہندوؤں کے لیے اردو کی تعلیم ضروری ہے

بعض اور اسباب ہیں جن کے پیش نظر ہندؤں پر اردو کا سیکھنا لازم ہے۔ ہندستان نے ہندی کو مملکتی زبان قرار دیا ہے اور اردو وہ زبان ہے جو ہندی سے قریب ترین ہے، اردو سیکھ کر ہندو ہندی سے قریب تر رہیں گے اور اس طرح ہند اور پاکستان دونوں ممالک کے باشندوں سے اُن کا تعلق رہے گا ۔ اس سے ایک فائدہ یہ ہوگا کہ ہندؤں اور مسلمانوں کو ایک دوسرے کے سمجھنے میں آسانی ہوگی اور وہ ایک دوسرے کے جذبات کا بہتر طور سے احترام کرسکیں گے ۔ ہندؤں نے اردو نہ سیکھی تو وہ بنگالے میں محدود ہوکر رہ جائیں گے اور باقی مملکت سے اُن کا کوئی تعلق نہ رہے گا ۔

اردو سے ایک اور فائدہ بھی ہوگا ۔ اردو ہندوؤں کو اور زیادہ حقیقت پسند بنادے گی ۔ ہندو اسلامی کلچر سے واقفیت حاصل کرنا ضروری نہیں سمجھتے ۔ اردو مملکتی زبان ہوگئی تو ہندو کے ذہن کی اس سختی میں نسبتاً کمی پیدا ہو جائے گی ۔ اردو پڑھتے ہی مسلمانوں کے خلاف اُن کا جذبۂ نفرت ختم ہوجائے گا اور وہ مسلمانوں سے قریب تر آجائیں گے ۔ جب تک وہ ہمیں سمجھیں گے نہیں اس وقت تک ہم سے محبت نہ کرسکیں گے ۔ اس کے نتائج بہت دور رس ہوں گے ۔

یہ بات قیاس میں نہیں آتی کہ اگر اردو کو مملکتی زبان قرار دے دیا گیا تو ہندو اردو نہیں پڑھیں گے ۔ پٹھانوں اور مغلوں کے زمانے میں وہ فارسی اور اردو پڑھتے تھے ۔ برطانیہ کے راج میں اُنھوں نے انگریزی پڑھی —— وہ تو جاپانی پڑھنے کے لئے بھی

تیار تھے ، پھر اردو کیوں نہ پڑھیں گے۔ اردو اُن کے لئے نئی نہیں ہے ۔ دورِحاضر میں بھی اردو کا دامن ہندو ادیبوں کی تخلیقات سے خالی نہیں رہا اور اُس کے آسمان ادب پر پنڈت جوالا پرشاد ، پنڈت رتن ناتھ سرشار اور منشی پریم چند وغیرہ کے نام ستاروں کی طرح چمکتے نظر آتے ہیں ۔ بنگلہ کے لیے بھی اردو کبھی شجر ممنوعہ نہیں رہی ہے ۔ نذرالاسلام سے پہلے مشہور شاعر سیتیندرناتھ دتا نے بہت سے عربی اور فارسی الفاظ اور بحروں سے بنگلہ کو روشناس کرایا تھا ۔ اس نئے انداز کی شاعری میں نریندر دیو اور موتی لال مجمدار نے بڑا نام پیدا کیا تھا ۔ ہندو قوم بہت ذہین ہے وہ اس غلطی کو ہرگز نہیں دہرائے گی جو مسلمانوں نے انگریزوں کی سرکاری زبان سے گریز اختیار کرکے کی تھی ۔ !

غلبے کا خطرہ بے معنی ہے

بنگلہ والے اردو کے خلاف ایک دلیل یہ لاتے ہیں کہ اردو سرکاری زبان ہوگئی تو شمالی ہند کے مسلمانوں کا ہم پر غلبہ ہو جائے گا اور زیادہ تر ملازمتیں اُن کے قبضے میں چلی جائیں گی ۔ یہ بہت گمراہ کن خیال ہے جس کی تردید ضروری ہے۔ پبلک سروس کمیشن کے امتحانات میں اردو اور بنگلہ ایک سطح پر ہیں اور ہر اُمیدوار کو دونوں میں سے کوئی زبان منتخب کرنے کا اختیار ہے۔ آئندہ بیس سال تک یہی طریقہ جاری رہ سکتا ہے تاکہ اس وقت جو بچے ابتدائی جماعتوں میں اردو شروع کر رہے ہیں اُن کے یونی ورسٹیوں سے نکلنے کے وقت تک مشرقی بنگال کے حقوق محفوظ رہیں ۔ ایک بات اور ملحوظ خاطر رہے ، وہ یہ کہ مغربی پاکستان کے کسی صوبے کی مادری زبان اردو نہیں ہے ۔ جس طرح مغربی پاکستان کے بچے اردو سیکھ سکتے

هیں ، اسی طرح بنگالی بچے بھی سیکھ سکتے ہیں ۔ موجودہ نسل کے دور میں تو انگریزی کو کلیتاً نہیں ہٹایا جاسکتا کیونکہ اس کی تعلیم و تربیت اسی زبان میں ہوئی ہے اس لیے کراچی کے مرکزی دفاتر کے ریکارڈ اور مرکزی اسمبلی کی تقریریں کم سے کم آئندہ پندرہ سال تک انگریزی ہی میں رہیں ۔ اس وقت پبلک سروس کمیشن کے مقابلے کے امتحانات میں بیس فیصدی نشستوں کا فیصلہ اہلیت کی بنیاد پر ہوتا ہے ، بقیہ میں سے نصف مشرقی بنگال کو ملتی ہیں ۔ اس کا مطلب ہوتا ہے چالیس فیصدی ۔ گویا مغربی پاکستان کا کوئی امیدوار چالیسویں نمبر کے بعد آتا ہے تو اسے جگہ نہیں ملے گی اور بنگال کا امیدوار سویں نمبر پر بھی کامیاب ہوگا تو ملازمت کا مستحق سمجھا جائے گا ۔ حقیقت یہ ہے کہ مغربی پاکستان کے اکثر ذہین اور اعلیٰ معیار کے امیدوار مسترد کر دیے جاتے ہیں اور صوبائی کوٹے کی وجہ سے کم معیار کے بنگالی امیدوار منتخب ہو جاتے ہیں اور بعض ایسے بنگالی طلبہ جن کے صرف تینتیس فیصدی نمبر آئے ، ملازمت میں لیے جاچکے ہیں ۔ اگر شمالی ہند کے کچھ مسلمانوں کے ہاتھ میں فی الحال تجارت نظر آتی ہے تو محض اُردو دانی کی وجہ سے وہ ہمیشہ تجارت پر قابض نہیں رہ سکیں گے ۔ اس کے لیے تو تجارتی بصیرت اور محنت درکار ہے ۔

بعض ملازمتوں مثلاً پولیس فوج وغیرہ میں اس وقت جو شمالی ہند کے مسلمان پائے جاتے ہیں تو دراصل اُن کا وجود ناگزیر ہے ۔ کم سے کم موجودہ حالات میں تو

ان میدانوں میں بنگالی مسلمان اُن کا مقابلہ نہیں کر سکتے۔ ایسی صورت میں مشرقی بنگال کے محکموں سے شمالی ھند کے مسلمانوں کا مکمل اخراج کس طرح ممکن ھے؟ یہ کیوں کر ممکن ھے کہ اُردو والے پاکستان کے لیے لڑیں، پاکستان کے لیے قربانیاں دیں، اور اس کی سرحدوں کے تحفظ کے اپنی جانوں کی بازیاں لگادیں مگر یہاں کے نظم و نسق میں اپنا حصہ طلب نہ کریں۔ شمالی ھند کے مسلمانوں نے پاکستان کے لیے بڑی قربانیاں دی ھیں۔ وہ کچھ تو بنگال اس لیے آئے ھیں کہ ریاست کی تقویت کا سبب بنیں اور کچھ اس غرض سے آئے ھیں کہ انہیں مخالف حالات نے آنے پر مجبور کیا۔ یہ مصیبت زدہ مہاجر ھیں، کیا یہ ھماری ھمدردی کے مستحق نہیں ھیں؟ انصار مدینہ کی درخشاں مثال ھمارے سامنے ھے۔ انھوں نے مکہ کے مہاجرین کا خندہ پیشانی سے استقبال کیا اور جو کچھ ان کے پاس تھا اس میں انہیں شریک کرلیا۔

اپنی صلاحیت کا ثبوت دو

میں بنگالی مسلمانوں کے اس جذبے کو پسند نہیں کرتا کہ پنجابی مسلمانوں پر غلبہ حاصل کیا جائے۔ یہ تو مقابلے کا دور ھے۔ پنجابی مسلمان اگر کسی میدان میں اپنی اھلیت کا ثبوت دیتے ھیں اور اپنی محنت تعلیم اور ذھانت کی بدولت آگے نکلتے ھیں تو اس میں ان سے خفا ھونے کی کیا بات ھے۔ ھمارے سامنے امکانات کی وسیع دنیا ھے۔ امکانات سے فائدہ اٹھانے کے لیے ھمیں تیار ھونا چاھیے۔ ملیں، فیکٹریاں، فلمیں اور بنک، غرض ھمارے اُبھرنے کے لیے بے شمار راھیں کھلی ھیں۔

اس میدان میں تو اردو بنگلہ کا کوئی سوال نہیں ہے ان میدانوں میں بنگالی مسلمان اپنی صلاحیت کا ثبوت کیوں نہیں دیتے ۔ صاحب صلاحیت ہمیشہ کام کرتا ہے نا اہل ہمیشہ رونا رہتا ہے ۔ مغربی پاکستان کا مسلمان تجارت اور صنعت میں مغربی بنگال کے اعلیٰ ذات کے ہندوؤں کی جگہ لے رہا ہے ۔ اگر مغربی پاکستان کے اہل صنعت پر جو یہاں کارخانے اور ملیں قائم کر رہے ہیں بنگال کے دروازے بند کر دئے گئے ، تو یا تو ہم پس ماندہ اور بے روزگار رہیں گے یا پھر مغربی بنگال کے ہندو ہمیشہ ہم پر مسلط رہیں گے ۔ ان میں سے جو صورت پسند ہو منتخب کرلیجیے ۔

اگر یہ بھی تسلیم کرلیا جائے کہ شمالی ہند کے مسلمانوں میں احساس برتری کا جذبہ ہے تو یہ کسی حدتک حق بجانب بھی ہے ۔ کیا بنگالی مسلمان قائداعظم رحمۃ اللہ علیہ ، شہید ملت لیاقت علی خاں ، ظفراللہ خاں ، غلام محمد یا اقبال کی ٹکر کا کوئی آدمی پیش کرسکتے ہیں ۔ بنگال میں کتنے سید احمد خاں پیدا ہوے ؟ عصر حاضر کا تو ذکر کیا پٹھانوں ، مغلوں یا انگریزوں کے دور میں بھی کوئی سپہسالار ، فاتح ، ماہر سیاسیات ، عالم دین ، مفکر ، شاعر یا مؤرخ ایسا نظر نہیں آتا جس نے بین قومی شہرت حاصل کی ہو ۔ اصل کی بات تو یہ ہے کہ ہمیشہ اردو والے ہی بنگال پر چھائے رہے ۔ کیا ذہنی صلاحیتوں کے اعتبار سے اردو والوں نے بنگالی مسلمانوں پر اپنی برتری ثابت نہیں کی ؟

لیکن اس کا سبب کیا ہے ؟ آخر ہم میں کس بات کی کمی ہے ؟ در اصل ہم میں اسلامی عقیدے کی قوت نہیں رہی بنگالی

مسلمان اس صفت سے اس لیے محروم ہیں کہ بنگلہ زبان کی وجہ سے اُن کے ذہن اصنام پرستی کی نجاست سے آلودہ ہیں۔

ناجائز اندیشے

ایک اور خطرہ یہ بتایا جا رہا ہے کہ اُردو سرکاری زبان قرار دے دی گئی تو اس پر عبور حاصل کرنے میں بنگالیوں کا کافی وقت اور محنت بے جا طور پر ضائع ہوگی۔ مگر مجھے اس خیال سے اتفاق نہیں ہے دنیا کی رفتار ترقی اس قدر تیز ہے کہ ہم ایک زبان پر تکیہ کرکے نہیں بیٹھ سکتے۔ ہم دنیا کے شہری ہیں اس لیے ہمیں اپنا نقطۂ نظر تبدیل کر لینا چاہیے۔ یہ خیال کہ بنگالی مسلمان صرف بنگلہ پڑھیں رجعت پسندانہ ہے انگریزی عربی اُردو اور بنگلہ ان میں سے ہر ایک ہمارے لیے ضروری ہے۔

اُردو کے خلاف پروپگنڈہ بند ہونا چاہیے

اس لیے بنگالی مسلمانوں کا فرض ہے کہ وہ اُردو کے خلاف یہ تباہ کن پروپیگنڈہ بند کر دیں۔ اُنہیں بنگلہ کے ساتھ ساتھ اُردو بھی پڑھنی چاہیے اور اس طرح اپنے مغربی پاکستانی بھائیوں کے دوش بدوش کھڑا ہونا چاہیے۔

یہ نئی تحریک

آئیے اب ہم بنگال کی موجودہ تحریک کے اصل منشا اور رجحان کا جائزہ لیں۔ سال ہی میں یہاں ایک ثقافتی بزم قائم ہوئی ہے جس کا نام ''تمدن مجلس،، ہے اس مجلس کا نام ملاحظہ کیجیے اور پھر اس کے مقاصد اور کارناموں پر غور کیجیے تو خیال ہوتا ہے کہ '' برعکس نہند نام زنگی کافور،، کا مصرع شاید اسی کے لیے موزوں کیا گیا تھا۔ خیر اس مجلس کی طرف سے ایک پمفلٹ بنگلہ زبان میں چھپا ہے اس پمفلٹ کا مندرجہ ذیل اقتباس بلا تبصرہ پیش خدمت ہے :-

پروفیسر قاسم | پروفیسر اے قاسم فرماتے ھیں :-

" پاکستان کی مرکزی حکومت کی دو زبانیں ہونی چاھئیں۔ آردو اور بنگلہ ۔ بنگلہ مشرق پاکستان کے محکمہ تعلیم کی بنیادی زبان ہونی چاھیے اور پاکستان کے سو فیصدی آدمیوں کو بنگلہ سیکھنی چاھیے ۔ آردو کی حیثیت ثانوی زبان کی یا بین صوبائی زبان کی ہونی چاھیے اور اسے صرف وہ لوگ سیکھیں جنھیں مغربی پاکستان میں ملازمت کرنی ہو ۔ اگر ہم میں سے پانچ تا دس فیصدی افراد آردو سیکھ لیں تو کافی ہوگا "۔

یہ کس قدر مضحکہ خیز خیال ھے ۔ بہر حال اس پر کسی تبصرے کی ضرورت نہیں ۔

ڈھاکہ یونی ورسٹی کے مطہر حسین | پروفیسر قاضی مطہر حسین فرماتے ھیں :-

" ہمیں اس کا لحاظ رکھنا چاھیے کہ انگریزوں سے جو جگہ خالی ہوئی ھے اس پر باھر سے آئے ہوئے لوگ قابض نہ ہو جائیں ہمیں آردو کے بارے میں اس مغالطے میں مبتلا نہ ہونا چاھیے کہ اس کا تعلق ہمارے مذھب سے ھے ۔ آردو کی دریوزہ گری سے ہمیں کوئی فائدہ نہیں ہوگا ۔ ہمیں تو اپنے تعلقات اُن لوگوں سے مضبوط بنانے چاھئیں جن کے درمیان ہم زندگی گزار رھے ھیں اور پہلے ہمیں اُنھی کے مطالبے کو پورا کرنا چاھیے ۔ جو ہم سے دور ھیں اُن کے مطالبے کی حیثیت ثانوی ھے ۔ اگر ہم آردو کے طلسم میں گرفتار ہوگئے تو بنگالیوں کی قومیت کا ڈھانچہ ٹوٹ جائے گا اور بنگال کے ھندو اور مسلمان انگریز کے دام سے نکلتے ھی پنجابیوں، سندھیوں اور بلوچیوں کے غلام ہو جائیں گے ۔ اگر مشرق بنگال

کے ہندوؤں اور مسلمانوں پر اُردو کو زبردستی ٹھونسا گیا تو اس بات کا امکان ہے کہ مشرقی پاکستان مغربی پاکستان سے علاحدہ ہو جائے ،، ۔

ڈاکٹر انعام الحق اپنے پمفلٹ میں فرماتے ہیں :

” اگر اُردو جیسی بیرونی زبان کو مشرقی پاکستان میں رائج کیا گیا تو یہ مسلمانوں کے مفاد کے خلاف ہوگا ۔ اُردو کی کوئی سیاسی اہمیت نہیں ہے ۔ یہ ایک مصنوعی زبان ہے ۔ بھلا اُردو کو مسلمانوں کی تہذیب و تمدن اور ان کے مذہب کا امین کیوں کر سمجھا جاسکتا ہے ۔ اگر مشرقی پاکستان کے مسلمانوں نے اُردو کو سرکاری زبان مان لیا تو سیاسی ، معاشی اور ثقافتی حیثیت سے اُن کی موت یقینی ہے ۔ جس طرح انگریزی حکومت کے ابتدائی دور میں مسلمانوں نے ملاؤں کے کہنے میں آکر انگریزی پڑھنے سے گریز اختیار کرکے غلطی کی تھی وہی غلطی اب وہ اُردو اختیار کرکے کریں گے ،، ۔

متحدہ بنگال والے

کیا یہ دلیل بجائے خود مضحکہ خیز نہیں ہے ؟ حقیقت وہ نہیں ہے جس طرح بیان کی گئی ہے ۔ بلکہ یہ ہے کہ جس طرح پرانے زمانے کے ملاؤں نے مسلمانوں کو انگریزی پڑھنے سے باز رکھ کر اُن کی ترقی کا راستہ مسدود کر دیا تھا اسی طرح موجودہ زمانے کے ” مفکر ،، مشرقی پاکستان والوں کو اُردو سے متنفر کرکے آئندہ سو سال کے لیے ترقی کی راہ میں پیچھے ڈھکیل دینا چاہتے ہیں ۔

اس سے موجودہ تحریک کا رجحان ظاہر ہوتا ہے ۔ بنگال میں ایک گروہ ایسا موجود ہے جس کا خیال ہے کہ بنگالی مسلمان اور بنگالی ہندو ثقافتی اعتبار سے ایک ہیں ۔ یہ لوگ متحدہ بنگال کے خواب دیکھ رہے ہیں ۔

غیر بنگالی مسلمان مجھے یہ کہتے ہوئے افسوس ہوتا ہے کہ شمالی ہند کے بعض مسلمانوں کے غلط رویے نے بھی بنگالی مسلمانوں میں اُردو کے خلاف جذبۂ تنفر کو ابھارنے میں کام کیا ہے۔ بنگالی مسلمانوں کا بیان ہے کہ پنجابی افسروں کا برتاؤ اُن کے ساتھ تحکمانہ ہوتا ہے۔ یہ افسوس ناک بات ہے۔ اُنہیں بنگالی مسلمانوں کے مقابلے میں برتری کے اظہار سے گریز کرنا چاہیے اور اُن سے نفرت نہ کرنی چاہیے۔ اُنہیں اپنی کمزوریوں پر بھی نظر رکھنی چاہیے۔ اُن کے یہاں بھی آزاد، مدنی اور عبداللہ جیسے اشخاص پیدا ہوئے ہیں۔ پاکستان کے استحکام کے لیے یہ ضروری ہے کہ ہم ایک دوسرے کو سمجھنے کی کوشش کریں۔ شمالی ہند کے مسلمانوں کو مشرقی پاکستان کے مسلمانوں کے دکھ درد کو اپنا دکھ درد سمجھنا چاہیے اور انہیں اپنا بھائی سمجھنا چاہیے اور جہاں تک ممکن ہو بنگالی مسلمانوں کی خدمت کو اپنا فرض جاننا چاہیے۔ اگر شمالی ہند کے مسلمان مشرقی پاکستانی بھائیوں کے قلوب کو مسخر کرنے میں ناکام رہے تو یہ اُن کی کوتاہی سمجھی جائے گی۔ صرف مشرق ہی کا فرض نہیں ہے کہ وہ مغرب کے اشارے کا منتظر رہے، بلکہ مغرب کو بھی مشرق پر نظر رکھنی چاہیے۔

غرض پاکستان کے دونوں حصوں کو قریب تر لانے کے لیے میری تجویز ہے کہ جس طرح بنگالی مسلمانوں کے لیے اُردو کا سیکھنا لازمی ہے اسی طرح مغربی پاکستان کے نصاب تعلیم میں بنگلہ زبان کی تعلیم کا بھی انتظام کیا جائے۔ مشرقی پاکستان والے اُردو سیکھیں اور مغربی پاکستان والے بنگلہ تو باہمی بمفاہمت

میں اضافہ ہوگا اور ہماری بہت سی مشکلات خود بہ خود حل ہو جائیں گی ۔ میرے خیال میں اردو والوں کو جو بنگال میں مجبوراً آنا پڑا ہے یہ ہمارے لیے ایک طرح کی رحمت ہے ۔ اس سے اردو اور بنگلہ ہی ایک دوسرے سے گلے نہیں ملیں گی بلکہ اردو والوں اور بنگلہ والوں میں باہمی شادیاں بھی ہوں گی ۔ خدا کرے وہ دن جلد آئے ۔

نتیجہ — ہم نے پاکستان حاصل کرلیا لیکن اصلی پاکستان ابھی ہماری نظروں سے اوجھل ہے ۔ ابھی تو ہم نے منزل کی طرف پہلا ہی قدم بڑھایا ہے ۔ یہ راہ دشوار گذار ہے اس لیے منزل تک پہنچنے میں ہمیں بہت سی قربانیاں دینی پڑیں گی ۔ ہمیں جغرافیائی حیثیت سے پاکستان پر مطمئن ہوکر نہ بیٹھ جانا چاہیے ۔ پاکستان ایک نصب العین اور ایک نظریہ ہے ۔ پاکستان تو ایک نئے نظام کی علامت ہے ۔ پاکستان کے قیام کا مقصود تو یہ ہے کہ اس وقت دنیا میں جو مختلف نظریات نبرد آزما ہیں ان کے درمیان ایک مصالحتی قوت کا فرض انجام دے ۔ اسلام ایک نئے تاریخی موڑ پر کھڑا ہے ۔ آیندہ دنیا میں جو عظیم واقعات پیش آنے والے ہیں ان کا مرکزی نقطہ پاکستان بنے گا ۔ اس مقصد کے لیے پہلے ساری دنیائے اسلام کو ایک جھنڈے کے نیچے جمع کرنا ہوگا ۔ مصر ، عرب ، ایران ، شام ، افغانستان ، پاکستان انڈونیشیا سب مل کر دنیا کا چھٹا براعظم بن سکتے ہیں ۔ کیا اس عظیم کام میں مشرقی پاکستان کے مسلمان دوسرے ممالک کے مسلمانوں سے پیچھے رہیں گے ؟

میر کارواں نے مدینے سے آواز دی ہے ۔ کیا مشرقی پاکستان کے مسلمان اس صدا پر لبیک نہ کہیں گے ؟

(مارننگ نیوز ۲۳ جون ۱۹۵۶ ع) ۔

پاکستان کی سرکاری زبان

(از جناب سید قمر الاحسن صاحب)

حال ہی میں ہز ہائنس آغا خاں بالقابہم نے عربی کو پاکستان کی قومی زبان قرار دینے کے حق میں جو جذباتی دلائل پیش کیے ہیں اس سے عربی اور اُردو کا اختلافی مسئلہ اُبھر کر سطح پر آگیا ہے - ہم یہ تسلیم کرنے کو تیار ہیں کہ ہز ہائنس آغا خاں نے اپنے دلائل بڑی قوت اور خوبی سے پیش کیے ہیں - مگر آن جیسے سن رسیدہ بزرگ نے بھی جذبے کو ذہن پر غالب آنے کی اجازت دے دی - ہز ہائنس آغا خاں نے ایک نئی بات یہ فرمائی ہے کہ اُردو چونکہ مسلمانوں کے زوال کی یادگار ہے اس لیے یہ پاکستان کی قومی زبان بننے کی صلاحیت نہیں رکھتی - ہم اسے محض توہم پرستی سمجھیں یا کچھ اور ؟ تعجب ہوتا ہے کہ ہز ہائنس آغا خاں بالقابہم نے جو تجدد پسند طبقے کے میر کارواں سمجھے جاتے ہیں اپنی قوت فیصلہ کو توہم سے متاثر ہونے دیا - ظاہر ہے کہ اس قسم کی کہانیاں ہمارے لیے کوئی کشش نہیں رکھتیں -

سوال یہ ہے کہ آغا خاں نے اُردو کی ارتقائی تاریخ کا جو مطالعہ فرمایا ہے کیا وہ صحیح ہے ؟ اس میں کوئی شک نہیں کہ اُردو کی بنیاد اسی سر زمین میں پڑی اور وہ شجر کی طرح مضبوطی کے ساتھ اس زمین سے پیوست ہے - یہ اس ملک کی فطری پیداوار ہے - دراصل اُردو اس لیے عالم وجود میں آئی کہ اس برعظیم

کے باشندوں کو ایک ایسے موزوں ذریعہ اظہار کی ضرورت تھی جس میں وہ اپنی بات یہاں کے باشندوں تک پہنچا سکیں ۔ چنانچہ عربی، فارسی، ترکی اور مقامی بولیوں کے دلکش امتزاج کا نتیجہ اردو کی صورت میں ظاہر ہوا اور یہ عوام کی زبان ہوگئی ۔ اس میں آخر قابل اعتراض بات کیا ہے ؟ کیا ایک ایسی زبان پر فخر کرنا جرم ہے جو زمانے کی ضروریات کے مطابق از خود پیدا ہو گئی ہو ۔ عوام ایک مشترک زبان چاہتے تھے چنانچہ اُن کی مشترکہ کوششوں کا ثمرہ اُردو ہے ۔ حقیقت تو یہ ہے کہ اگر کوئی زبان اس امر کا دعویٰ کر سکتی ہے کہ اس کے خمیر میں مقامی آب و رنگ موجود ہے تو وہ اُردو ہے ۔ ہز ہائنس آغا خاں فرماتے ہیں کہ :—

,, میرا دعویٰ ہے کہ شہنشاہ اورنگ زیب ، شاہ جہاں ، جہاں گیر ، اکبر ، ہمایوں یا بابر نے کوئی خط یا تحریر اُردو میں نہیں لکھی ۔ اگر کسی کو اس کا دعویٰ ہو تو وہ اس قسم کی تحریر پیش کرے،، ۔

میں آغا خاں کو یاد دلانا چاہتا ہوں کہ اُردو مغلوں ہی کے دور میں (۱۵۲۶—۱۸۵۷) ادبی خوبیوں کے منتہائے عروج پر پہنچی ۔ جب شاہ جہاں نے دہلی کا لال قلعہ تعمیر کیا اور اپنا دارالحکومت دہلی میں قایم کیا تو اُس نے اس زبان کو اُردوئے معلیٰ کا خطاب عطا کر کے اس کا وقار بڑھایا ۔ اگرچہ اُس وقت تک دربار کی زبان فارسی تھی مگر عوام اور قلعہ معلیٰ

کی بیگمات کی زبان اردو ہو چکی تھی - ان تاریخی حقائق کے علاوہ ہمیں علمی اور آفاقی نقطہ نظر سے اس مسئلہ پر غور کرنا چاہیے - کیا اردو ہر صوبے میں یکساں طور پر بولی اور سمجھی جاتی ہے؟ آغا خاں کا خیال ہے کہ اردو کا دائرہ اتنا وسیع نہیں ہے - انہوں نے سوال کیا ہے کہ کیا یہ بنگال ، سرحد ، سندھ یا پنجاب کی زبان ہے؟

ہمیں جذبات سے علاحدہ ہو کر نہایت ٹھنڈے دل سے اس مسئلے پر غور کرنا چاہیے - پہلے پنجابی کو لیجیے - اگرچہ صوبہ پنجاب نے اردو کی ترقی میں نمایاں حصہ لیا ہے مگر وہاں عام طور سے گھروں میں پنجابی بولی جاتی ہے - پنجابی پراکرت کی بہن ہے اور اردو سے بہت زیادہ قریب ہے - اس لیے پنجاب کے باشندوں کے لیے اردو کا بولنا اور سمجھنا بہت سہل ہے اور قریب قریب وہاں کا ہر شخص آسانی کے ساتھ اردو بول سکتا ہے -

اس کے بعد سندھی زبان کو لیجیے - سندھی زبان سندھ کے علاقے میں بولی اور لکھی جاتی ہے - اگرچہ سندھی بھی ہندستانی پراکرت کی ایک شاخ ہے لیکن یہ اس برعظیم کی پہلی زبان ہے جو آٹھویں صدی میں عربوں کی آمد کے باعث عربی زبان سے متاثر ہوئی - سندھی عربی نسخ رسم الخط میں لکھی جاتی ہے اور اس کے ذخیرہ الفاظ میں تیس فی صد حصہ عربی کا ہے - اس سے ثابت ہوتا ہے کہ اردو سندھی کے لیے اجنبی نہیں ہے -

اب پٹھانوں کی زبان کی طرف آئیے - پٹھانوں کی زبان پشتو ہند آریائی زبانوں کے خاندان سے متعلق نہیں ہے - اس لیے یہ زبان

اور سندھی ، پنجابی اور بنگالی سے مختلف ہے کیوں کہ یہ تینوں ہند آریائی خاندان کی زبانیں ہیں ۔ پشتو کا رسم خط عربی رسم خط کی بگڑی ہوئی صورت ہے ۔ اس زبان میں فارسی اور عربی کے بہت سے الفاظ ہیں اور ظاہر ہے کہ عربی فارسی اردو سے بہت قریب ہیں ۔

مشرق پاکستان کی زبان بنگلہ مسلم اثرات سے یکسر بے تعلقی کا دعویٰ نہیں کر سکتی ۔ اس زبان میں بے شمار عربی اور فارسی کے الفاظ شامل ہو چکے ہیں اور یہ تحریک بڑے زور سے چل رہی ہے کہ بنگلہ کو نسخ رسم خط میں لکھا جائے ۔ بلا خوف تردید کہا جا سکتا ہے کہ مشرق پاکستان کے دور دراز دیہات میں بھی ایسے لوگوں کی قابل ذکر تعداد موجود ہے جو آسان اردو کو بخوبی سمجھ لیتے ہیں ۔

اس بحث سے یہ ثابت ہو جاتا ہے کہ ہمارے ہم وطنوں کی صلاحیت اور فہم و ذہانت کے لیے اردو سب سے زیادہ پر کشش زبان ہے ۔ یہ ہماری گھٹی میں پڑی ہوئی ہے ۔

اردو زبان مسلمانوں کے عہد زوال کی نشانی نہیں ہے ۔ اس کے برخلاف اس زبان نے تو صدیوں تک اس برعظیم کے مسلمان حکمرانوں اور رعایا کو سہارا دیا ہے ہمارے دور میں تو اردو پاکستان کی نشاۃ الثانیہ کی زبان بن گئی ہے ۔ آپ اس زبان کی کس طرح بے قدری کر سکتے ہیں جس میں میر ، انیس ، غالب اور اقبال جیسے شعرا نے

طبع آزمائی کی ہے - کیا ان کی شاعری اسی مرتبہ کی نہیں ہے جو ہومر ، ڈانٹے ، گوئٹے اور شکسپیر کی شاعری کو حاصل ہے ؟

چونکہ پاکستان ایک اسلامی ریاست ہے اس لیے یہاں عربی کو نظر انداز نہیں کیا جا سکتا ہر پاکستانی کو عربی سیکھنی پڑے گی - لیکن پاکستان کی مشترکہ زبان (لنگوا فرینکا) اردو کے علاوہ کوئی دوسری زبان نہیں ہوسکتی - ہماری سمجھ میں نہیں آتا کہ آغا خاں کیوں اس قدر بھرے بیٹھے تھے کہ انہوں نے یہ اعلان فرمانے کی ضرورت سمجھی کہ " اردو کو قومی زبان قرار دینا ایک افسوس ناک بلکہ تباہ کن اقدام ہوگا - اور یہ کہ اردو کا اختیار کرنا ایسا ہی ہے جیسے کوئی پہاڑ کی چوٹی سے کود پڑے - مگر کیوں کر ؟

اخباروں میں یہ پڑھ کر اور بھی زیادہ حیرت ہوئی کہ مشرقی پاکستان مسلم لیگ کی کونسل نے عربی کو پاکستان کی قومی زبان بنانے کی سفارش کی ہے - اس تجویز کے محرک جو صاحب ہیں وہ خود خدا کے فضل سے عربی کی ابجد سے بھی واقف نہیں ہیں - جب وہ عربی کو سمجھتے ہی نہیں تو اس کی وکالت کس طرح کر سکتے ہیں -

آخر میں مجھے ہز ہائینس آغا خاں بالقابہم کی ایک دلیل کی طرف خصوصیت کے ساتھ قارئین کی توجہ مبذول کرانی ہے جو

ان کی شکست خوردہ ذہنیت کی آئینہ دار ہے ۔ وہ فرماتے ہیں کہ اگر سابقہ برطانوی سلطنت کا دوسرا حصہ یعنی ہندستان اردو کو اپنی قومی زبان بنا لیتا تو پاکستان میں بھی اردو کے قومی زبان بننے کی بات سمجھ میں آسکتی تھی ۔ بالفاظ دیگر اگر جنوب کی عظیم جمہوریہ (ہند) اردو کو تسلیم کر لیتی تو آغا خاں اردو کو پاکستان کی قومی زبان تسلیم کر لیتے یا کم سے کم اسے اردو کے حق میں ایک زبردست دلیل تصور کرتے ۔ اس کا مطلب تو یہ ہوا کہ اردو کی زندگی اور موت اس بات پر منحصر ہے کہ بھارت اسے قبول کر کے اس کی عزت افزائی کرتا ہے یا ذلیل ٹھہرا کر مسترد کر دیتا ہے ۔ کیا ہم ہز ہائینس سے قائد اعظم کے الفاظ میں باادب عرض کر سکتے ہیں کہ " ہم اس بات کو ہرگز پسند نہیں کرتے کہ ہمیں بھارت کا تتمہ سمجھ لیا جائے "

اُردو کی اہمیت

مولوی فضل الحق صاحب کی نظر میں

دسمبر سنہ ۱۹۳۹ء میں آل انڈیا مسلم ایجوکیشنل کانفرنس کا اجلاس مولوی ابو القاسم فضل الحق صاحب کی دعوت پر کلکتہ میں منعقد ہوا تھا ۔ اس اجلاس میں موصوف نے صدر مجلس استقبالیہ کی حیثیت سے اردو میں خطبہ صدارت پڑھا تھا جو کراؤن سائز کے باون صفحات پر مشتمل ہے ۔ اس خطبے میں برعظیم کے مسلمانوں کے تہذیبی تعلیمی اور لسانی مسایل پر تفصیلی روشنی ڈالی گئی تھی اور اردو کو مٹا کر دیوناگری رسم خط میں ہندی کی ترویج کی جو کوشش ہندوؤں کی طرف سے ہو رہی تھی اس کے سیاسی مضمرات کو واضح کیا گیا تھا ۔

مسلمانان ہند کی نشاۃالثانیہ کے بانی سر سید علیہ‌الرحمہ نے ہندوؤں کی طرف سے اردو کی بیخ کنی اور ہندی کی ترویج کی کوششوں کو دیکھ کر جو یہ پیشنگوئی کی تھی کہ اب اس ملک میں ہندو اور مسلمان ایک قوم ہو کر نہیں رہ سکتے ، اس کی تصدیق کرتے ہوئے مولوی فضل الحق صاحب نے جو اُس وقت متحدہ بنگال کے وزیر اعظم اور وزیر تعلیم تھے، اپنے خطبۂ صدارت میں فرمایا تھا کہ

”ہندوؤں کی موجودہ پارٹیوں اور لیڈروں کی روش کو دیکھتے ہوئے میں نیشنلزم کے اساس پر تعلیم و تمدن کی عمارت کی تعمیر سے مایوس ہوتا جا رہا ہوں ۔ جس طرح سر سید علیہ الرحمہ اپنی بالغ نظری دور بینی اور خدا داد بصیرت سے سنہ ۱۸۶۷ء میں مایوس ہو چکے تھے ،،

اسلامیان ہند کا ان انقلابی حالات کے اندر تعلیمی و تمدنی اعتبار سے کون سا نصب العین ہونا چاہئے ؟ یہ سوال اٹھا کر مولوی فضل الحق صاحب نے آگے اس کا جواب دیا ہے کہ یہ نصب العین تین لفظوں میں ادا کیا جا سکتا ہے" استقلال ، اتحاد و ارتقا"۔

اتحاد کی حقیقت بتاتے ہوئے انہوں نے فرمایا :

"اتحاد سے مراد یہ ہے کہ ملت اسلامیہ ہند ایک ناقابل تقسیم وحدت ہے - گزشتہ ایک ہزار سال کی تاریخ ، علی گڑھ تحریک اور آردو زبان نے دس کروڑ اسلامیان ہند و سندھ کے اندر ایک زبردست احساس قومیت پیدا کردیا ہے جس کی بنیاد اسلامی شریعت پر مبنی ہے"۔

"آردو زبان اور رسم الخط" کے موضوع پر موصوف نے فرمایا :-

"آردو زبان اور رسم الخط کی اہمیت محتاج بیان نہیں - آردو ہندستان کی گزشتہ تاریخ کی سب سے روشن اور اتحاد پرور یادگار ہے۔ آج سے تھوڑے ہی عرصہ پہلے بنگال آردو کا گہوارہ تھا ، موجودہ نثر نویسی کی ابتدا اسی کلکتہ میں ہوئی تھی، آردو کے بڑے بڑے ادیب و شاعر بنگال میں ہو چکے ہیں اور ان کے باقیات الصالحات اب بھی جہاں تہاں پائے جاتے ہیں ، لیکن آج اسکولوں کے جدید نظام کی بدولت یہ حالت ہے کہ آردو سے یک گونہ مغائرت بڑھتی جا رہی ہے اور اس کا خطرہ محسوس کیا جا رہا ہے کہ اگر پرانی نسل ختم ہوئی اور حالات کی اصلاح نہیں کی گئی تو غالباً بنگال میں آردو کا سمجھنے والا بھی کوئی نہ ہوگا - اس کا تدارک صرف اسی طرح ممکن ہے کہ کم سے کم مسلمانوں کے اپنے

اسکولوں میں آردو کو امتحان کا ایک لازمی سکنڈ لینگویج (زبان ثانوی) قرار دیا جائے۔ بنگال میں اب تک یہ تجویز کیوں عمل کا جامہ نہیں پہن سکی اس کے اسباب میں سب سے بڑا سبب کلکتہ یونی ورسٹی کا عدم تعاون ہے جس کو بنگال کے اسکولوں کالجوں اور نصابوں پر غیر معمولی اختیارات حاصل ہیں۔ حالاں کہ یہ یونی ورسٹی نہ صوبے کے ہندوؤں کی باضابطہ نمائندگی کا دعوا کر سکتی ہے اور نہ مسلم اکثریت کی نیابت سے اس کو دور کا واسطہ ہے۔ لیکن بایں ہمہ اپنی موجودہ صورت میں سارے بنگال کے مسلمانوں، اچھوتوں اور دوسری جماعتوں اور خود عام ہندوؤں کے تعلیمی مفاد کی ترقی کی راہ روکے کھڑی ہے۔ میں اس مسئلہ پر علاحدہ بحث کروں گا۔ اس وقت میں صرف اتنا عرض کروں گا کہ میں آردو کو کم سے کم مسلمانان بنگال کے لیے ایک لازمی مضمون بنانے کا عزم صمیم کر چکا ہوں اور انشاءاللہ عام مسلمانوں کی تائید سے اس میں کام یاب ہوں گا،،۔

آردو ٹائپ کی دقتوں کا ذکر کرتے ہوے موصوف نے آگے چل کر فرمایا کہ ”یہ (موزوں آردو ٹائپ کی عدم ایجاد) ایک بہت بڑی رکاوٹ ہماری قومی زبان کی ترقی کی راہ میں تھی اور ہے لیکن ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اللہ ہماری اس مشکل کو حل کرنے کی راہ پیدا کرنے والا ہے“۔

مولوی فضل الحق نے کلکتہ یونی ورسٹی کے مسلم دشمن رویے کی مذمت کرتے ہوے اس یونی ورسٹی کے کانسٹی ٹیوشن میں تبدیلی کرانے کے عزم کا اعلان کیا اور کہا :-

"اس مشکل کے رفع ہونے کے ساتھ بنگال میں اردو کو مسلمانوں کے لیے ایک لازمی مضمون کی حیثیت سے جاری کرنے کی راہ میں جو رکاوٹ ہے وہ بھی دور ہو جائے گی۔ مجھے معلوم ہے کہ مسلمانان بنگال اور بہت سی دوسری جماعتیں چاہتی ہیں کہ اسکولوں میں اردو ایک لازمی مضمون قرار دیا جائے۔ لیکن جاتی ہندوؤں کی اجارہ دار ٹولی جو کلکتہ یونی ورسٹی کو اپنا موروثی ترکہ بنا کر پورے بنگال کے اسکولوں کے نصاب تعلیم پر حکمراں ہے، نہیں چاہتی کہ مسلمانوں کی یہ خواہش پوری ہو' حالاں کہ اس میں ان کا کوئی نفع نقصان نہیں ہے اور نہ اس سے ان کا کوئی تعلق ہے"۔

———:o:———

مکتبہ جامعہ لمیٹڈ دہلی